احسن تقویم

سیّد شیدا حسن زیدی

Nizami

نام

سید شید احسن زیدی

پیدائش

۳ جولائی سنہ ۱۹۳۲ء ضلع مظفر نگر سادات بارھہ

تعلیم

ایم اے (پنجاب یونیورسٹی)

پتہ

سینئر وائس پریذیڈنٹ / سرکل ایگزیکیٹو
الائیڈ بنک آف پاکستان ملتان سرکل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

احسنِ تقویم

(پانچ جدید مراثی کا مجموعہ)

سیّد شیدا حسن زیدی

مکتبہ اہلِ قلم ملتان

ضابطہ

اشاعت اول ________ ۱۹۸۹ء
مصنّف ________ سید رشید احسن زیدی
طابع ________ روحانی آرٹ پریس ملتان
ناشر ________ مکتبہ اہلِ قلم ملتان
ہدیہ ________ ۱۳۵/۰ روپے

تقسیم کار
کتاب نگر
حسن آرکیڈ نصرت روڈ ملتان کینٹ

انتساب

اپنی والدہ گرامی کے نام جن کی دعاؤں،

مامتاؤں کی بدولت مجھے یہ سعادت

نصیب ہوئی۔

سید شمیم احسن زیدی

فہرست

پیش لفظ

مسلمانوں کی تاریخ میں مرثیہ کی ابتدا عربی زبان سے ہوتی ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں مرثیہ ایرانی اثرات کا مرہونِ منت ہے۔ فارسی زبان کے حوالے سے اس کا اگر مطالعہ کیا جائے تو اردو زبان میں ایرانی تقلید اور فارسی زبان کی وسعت نے مرثیہ گوئی کے رواج کو فروغ دیا محتشم کاشی۔ مقبل اور ظہوری کے مراثی برصغیر میں بہت مقبول ہوئے جب فارسی زبان کے اثرات آہستہ آہستہ کم ہونے شروع ہوئے اور اردو زبان کی نشو نمائی میں توانائی آئی تو شاعروں نے سب سے پہلے مرثیہ کی صنف میں طبع آزمائی شروع کی۔ جنوبی ہند میں مرثیہ کا آغاز عہدِ محمد قلی سے ہوتا ہے۔ محمد قلی۔ وجہی۔ غواصی۔ لطیف، سیوا، کاظم۔ مرزا۔ نصرتی۔ ہاشمی، شاہی اشرف ذوقی اور علی عادل شاہ سے لے کر ہاشم برہان پوری کے دیوان حسینی تک مرثیہ کا سلسلہ پہنچتا ہے۔

دکن میں جب ذوق و شوق کی رفتار سست پڑی تو شمالی ہندوستان نے مرثیہ کو اپنا لیا۔ فضلی سب سے پہلا مرثیہ گو شاعر تھا۔ فضلی کے بعد۔ سکندر۔ مسکین علی قلی ندیم۔ میر احسانی۔ میر تقی میر اور مرزا رفیع سودا نے مرثیہ کو آگے بڑھایا۔ بلکہ سودا نے تو مراثی کو مربع۔ مخمس اور مسدس کی مختلف صورتوں میں نظم کیا۔ اپنے عہد میں خالص مرثیت کا سہرا سودا کے سر رہا۔ جس کی وجہ سے اردو ادب میں اُن کا بڑا مقام ہے۔ سودا کے بعد مرثیہ ابھی ارتقائی منزل میں تھا کہ اُسے دربارِ لکھنؤ کی

سرپرستی حاصل ہوگئی۔ میر ضمیر۔ میر خلیق۔ فصیح اور دلگیر اس عہد کے ممتاز مرثیہ گو شاعر ہوئے اور بہت شہرت پائی۔ زبان اور اندازِ بیان میں وسعت، تنوع، ندرت جدت اور مروجہ اصنافِ سخن کی بہت سی خصوصیات مرثیہ کو حاصل ہوگئیں۔ میر ضمیر کو مرثیہ میں انفرادیت، اختصاص اور امتیاز حاصل ہے مرزا دبیر فرماتے ہیں۔

شاہی ضمیر اوج پہ ہے ملکِ سخن میں
جس طرح سے دل اشرفِ اعضا ہے بدن میں

گو میر خلیق۔ فصیح اور دلگیر بھی کسی طرح میر ضمیر سے کم نہیں تھے۔ لیکن میر ضمیر نے مرثیہ کو ایک مستقل فن بنا دیا۔ اُن سے پہلے بحروں کا تعین نہیں ہوا تھا اور نہ ہی نظم کی کوئی خاص قسم اس کے لئے مخصوص تھی۔ ضمیر نے مرثیہ گوئی میں ایک انقلاب برپا کر دیا۔ مضامین کو وسیع کیا، چہرہ۔ رخصت۔ سراپا آمد۔ رجز۔ رزم اور شہادت مرثیہ کے لئے ضروری عناصر ٹھہرائے۔ رزم کے سلسلے میں آلاتِ حرب کا استعمال گھوڑے کے اوصاف، سپاہیوں کی رد و بدل کی قلمی تصویریں اتار دیں۔ صبح کا منظر، آفتاب کا غروب ہونا رات کی سیاہی۔ ایسی منظر کشی کی جو اس سے پہلے مرثیہ میں شامل نہیں تھی۔ فنی اعتبار سے ردیف کو مسدس کی بیت کا لازمی جز قرار دیا تاکہ ہر بند کی تاثیر میں زور پیدا ہو کر اس کی فنی حیثیت بڑھ جائے۔ میر ضمیر سے پہلے مرثیہ تیس چالیس بندوں پر مشتمل ہوتا تھا لیکن انھوں نے مضمون کو پھیلایا اور اس طرح بندوں کی تعداد میں کافی اضافہ کیا۔ موجودہ مرثیہ کی ہئیت بھی میر ضمیر کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ میر ضمیر کی اوّلیت اُن کے اس مقطع سے بھی ثابت ہوتی ہے۔

جس سال لکھے وصف یہ ہمشکلِ نبی کے
سن بارہ سے انچاس تھے ہجرِ نبوی کے
آگے تو یہ اندازِ سخن تھے نہ کسی کے
اب سب یہ مقلد ہوئے اس طرزِ نئی کے

دشت میں کھوں تو میں کھوں یہ ورد ہے میرا
جو جو کہے اس طرز میں شاگرد ہے میرا

میر ضمیر اور خلیق کے عہد میں ہی مرثیہ کے اُفق پر میر انیس اور مرزا دبیر آفتاب بن کر روشن ہو گئے تھے۔ جن کی روشنی سے آج بھی اردو ادب روشن اور منوّر ہے ان دونوں نے لاکھوں اشعار کہہ ڈالے۔ مضامین کے سمندر الٹ ڈالے ایک ایک مضمون کو ہزار دل ڈھنگ سے باندھ کر مرثیہ کو مقامِ محمود تک پہنچا دیا۔ بقول آزاد ہر مرثیہ کا چہرہ نیا۔ آمد نئی۔ رزم جدا۔ بزم جُدا۔ ہر میدان میں مضمون اچھوتا۔ تلوار نئی۔ نیزہ نیا۔ گھوڑا نیا۔ مقابلہ نیا۔ اس پر کیا منحصر صبح کا عالم دیکھو تو سبحان اللہ رات کی رخصت، سیاہی کا پھٹنا۔ نور کا ظہور، آفتاب کا طلوع، مرغزاروں کی بہار شامِ غریباں کی اُداسیاں، کبھی رات کا سناٹا۔ کبھی تاروں کی چھاؤں کی چاندنی اور اندھیروں کے ساتھ الگ الگ رنگ سے دکھانا۔ غرض جس تصویر کو اُجاگر کیا جان ڈال دی۔ الفاظ کو لشکر اور لشکر میں فوجوں کی آمد و رفت کا سماں باندھ دیا۔ ریگزاروں کی تپش، دریا کی موجیں۔ صحراؤں کی گرد۔ غرض کون سی بات تھی جو احاطۂ خیال سے نکل گئی ہو۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ میر انیس اور مرزا دبیر کے بعد مرثیہ مائل بہ زوال ہے غلط ہے حالانکہ اردو مرثیہ پوری قوت کے ساتھ زندہ ہے اس کی زندگی کا اس سے بڑھ کر بڑا ثبوت کیا مل سکتا ہے کہ نامساعد تہذیبی عوامل کے باوجود اس کے ارتقاء کا سفر جاری ہے اور رہے گا

میر انیس و دبیر کے شاگردوں اور خاندان کے مرثیہ گو شاعروں نے مرثیہ کو آگے بڑھانے میں بڑا رول ادا کیا۔ میر مونس۔ انس، نفیس۔ سلیس۔ میر وحید دولہا صاحب عروج رئیس۔ جلیس۔ قدیم۔ محمد حسن فائز۔ منے صاحب ذکی۔

وصی، سید محمد حیدر جانی صاحب، فائق۔ لائق، سجاد حیدر رشید کا نام قابلِ ذکر ہے۔
سید مرزا اُنس کا خاندان بھی میر انیس کے خاندان کی طرح مرثیہ گوئی میں پیش پیش تھا۔ سید مرزا اُنس۔ میر عشق۔ میر تعشق احمد مرزا صابر اور پیارے صاحب رشید نے بہت شہرت پائی۔ مرزا دبیر کے خاندان میں مرزا اوج۔ مرزا ہادی عطارد، مرزا محمد طاہر رفیع۔ بادشاہ علی بقا، وزیر علی صبا۔ مرزا محمد ذاکر عرف اغن صاحب مرزا شفیع عرف ابو صاحب، نواب حسن علی خاں عرف اچھے صاحب نے بڑی عزت اور شہرت پائی۔

مرثیہ کی ترقی اور ترویج میں جہاں اہل لکھنو پیش پیش تھے، وہاں سادات بارہہ (ضلع مظفر نگر یوپی) نے بھی بیش بہا خدمات سر انجام دی ہیں، سادات بارہہ کے مرثیہ نگاروں کی فہرست کچھ یوں ہے۔

دبستان انیس

۱:۔ میر ریاض الدین ریاض شاگرد میر انیس
۲:۔ ناظم الہند سید ناظر حسین ناظم شاگرد میر نفیس
۳:۔ میر وزارت حسین شاگرد میر نفیس۔
۴:۔ سید کاظم علی کاظم شاگرد میر ریاض الدین و میر نفیس۔
۵:۔ سید زوار حسین شاگرد جناب دولہا صاحب عروج
۶:۔ سید ضیاء الحسن شاگرد میر وزارت حسین۔
۷:۔ سید محمد احسن شاگرد دولہا صاحب عروج۔
۸:۔ سید احمد سید شاگرد سید کاظم علی کاظم
۹:۔ نواب ابن حسن، سید محمد رضا اور سید امامت حسین شاگرد کاظم علی کاظم

۱۰:۔ سید واجد حسین واجد، سید زاہد حسین زاہد شاگرد دبیر وزارت حسین۔

دبستان دبیر

۱:۔ حکیم سید محمد حسنین رقیم شاگرد مرزا دبیر

۲:۔ سید محمود حسن عقیل شاگرد مرزا اوج

۳:۔ سید مظفر علی کوثر شاگرد مرزا اوج

۴:۔ سید شوکت حسین شاگرد مرزا اوج

۵:۔ سید ایوب حسین شاگرد مرزا اوج

متفرق دبستان

۱:۔ سید حسن رضا حسن شاگرد احسان گورکھپوری۔

۲:۔ سید امیر حسن شاگرد شیخ سجاد حسین عشیر

۳:۔ سید سجاد حسین شاگرد عشیر

۴:۔ سید حمید حسن ہنر شاگرد منشی نظیر حسین۔

۵:۔ سید یافر علی فہیم شاگرد قسیم امروہی

۶:۔ سید شبیر حسن شاگرد عشیر

۷:۔ سید عزت حسین شاگرد بزم اکبر آبادی۔

۸:۔ سید سرفراز حسین شاکر شاگرد بندہ کاظم جاوید لکھنوی۔

۹:۔ سید محمد یوسف رداں شاگرد عباس میرٹھی۔

۱۰:۔ سید شریف حسین شریف شاگرد منشی نظیر حسین

۱۱:۔ سید لطافت حسین لطافت شاگرد عشیر

۱۲:۔ سید حسن احمد حسن سید حسین احمد جوہر شاگرد سید واجد حسین واجد

مرثیہ کی بنیاد عقیدت کے سچے جذبوں، کھری صداقتوں، شفاف ارادوں اور کربلا کی عظیم قربانیوں کی روایات پر رکھی گئی ہے جس کے تخلیقی عمل میں کبھی کھوٹ ہی نہیں تھا۔ محمدؐ و آلِ محمدؐ کی مودّت۔ عقیدت۔ حق و صداقت کی راہ میں جان دینے کا عمل مقصدیت کو ابھارتا ہے اسی وجہ سے جدید مرثیہ مقصدیت کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے عہد جدید کا کلاسیکل مرثیہ سے یہی فرق نظر آتا ہے۔

اس عہد میں جہاں انسان نئی معاشرتی تبدیلیوں۔ سیاسی محاذ آرائیوں سے دوچار ہے وہاں اُس کے انفرادی اور اجتماعی شعور نے سائنسی ایجادات، مظاہرِ فطرت تمدّنِ انسانی کا ارتقائی پہلو۔ انسانی عقلی ترقیاں۔ غور و فکر۔ اپج۔ کائنات کے بارے میں نئی تحقیقات سے شناسائی نے شہادتِ حسینی اور اس کے نصب العین کو نئے انداز سے دیکھنے اور پرکھنے کا موقع فراہم کیا۔ قدیم روایات کو جدید طرز پر انفرادیت اور مقصدیت کی طرف منتقل کیا۔ اس نے لہجہ میں نمایاں تبدیلیاں پیدا کیں اور عالمانہ شعری رویئے کو خاص رنگ میں آگے بڑھایا۔ مرثیہ کی ہیئتِ ترکیبی میں معنوی اضافے کیسے۔ عظمتِ انسان اور تہذیبِ حاضر کے جلوؤں کو ایک خاص طرز کا ربط پیدا کر کے اس عہد جدید میں زندہ رہنے کے قابل بنایا۔ اور پھر عصرِ جدید کے تقاضوں میں واقعاتِ کربلا کو ہم آہنگ کر کے انقلابی فکر سے مرثیے کو تابندگی عطا کی۔ اس عمل کو آگے بڑھانے میں جوشؔ ملیح آبادی، جمیلؔ مظہری، آلِ رضا، ڈاکٹر صفدر حسین، مولانا نسیم امروہی، نجم آفندی۔ آرزو لکھنوی، شاہد نقوی، قیصر بارہوی ہزار نقوی، ہلال نقوی، قسیم امروہی، حکیم محمد کاظم زیدی، شاداں دہلوی، ڈاکٹر یاور عباس، شائق زیدی، وحید الحسن ہاشمی نے اپنی توفیقات کے مطابق مرثیہ کو اخلاق و تہذیب۔ فکری سمت۔ اور جدید سائنسی رنگ سے آہنگ کر کے مالا مال کر دیا

مَیں شاعری کے میدان میں ۱۹۴۲ سے طبع آزمائی کر رہا ہوں مگر صرف صنف غزل تک محدود تھا۔ مرثیہ کی طرف طبیعت بچپن سے گو مائل تھی مگر حوصلہ نہیں پڑتا تھا آج مَیں پانچ مرثیوں کا خالق ہوں جس کا سہرا ڈاکٹر سید صفدر حسین مرحوم کے سَر ہے۔ جنہوں نے اس صنف میں اپنی محبت اور شفقت سے مجھ کو قدم رکھنے کا حوصلہ عنایت کیا۔ ڈاکٹر صاحب امام بارگاہ شیخوپورہ میں منبرِ رسول پر مرثیہ پڑھتے پڑھتے اللہ کو پیارے ہو گئے جس وقت آپ کی روح قفسِ عنصری کی طرف پرواز کر رہی تھی آپ یہ مصرعہ پڑھ رہے تھے۔

"معجزے دو تھے محمدؐ کے علیؑ اور قرآن"

ڈاکٹر صاحب کی اس عظیم موت نے مجھے مرثیہ کی طرف مکمل طور پر مائل کر دیا مرثیہ ہی ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے انسان روحانی سفر پر مودتِ محمد و آلِ محمدؐ میں روانہ ہو سکتا ہے اور مقام محمود تک پہنچ سکتا ہے۔ جیسا کہ ڈاکٹر صفدر حسین کی قسمت میں یہ مقام تھا۔ اس بات نے مجھے مرثیہ کہنے کی دعوت دی اور الحمد للہ عروسِ شہادت اور اس کے بعد چار مراثی ملتان کی سرزمین میں مکمل ہوئے۔

ملتان بزرگانِ دین کا شہر ہے جہاں حضرت بہاء الدین زکریا رح، حضرت شاہ شمس سبزواریؒ، حضرت شاہ گردیز رح جیسے بزرگ رونق افروز ہیں، یہاں علمی ادبی اور روحانی محافل کا انعقاد ہوتا رہتا ہے۔ ڈاکٹر اسد اریب، حضرت عاصی کرنالی، پروفیسر شمیم ترمذی، پروفیسر حسین سحر، ہلال جعفری، اقبال ارشد، حزیں صدیقی، حیدر گردیزی، ارشد ملتانی، شاکر حسین شاکر، تابش صمدانی اور دیگر حضرات جمع ہوتے رہتے ہیں کبھی نعت کی محفل، کبھی مسالمہ کبھی مرثیہ کی نشست کبھی غزل کا میدان، غرض رات دن رونق لگی رہتی ہے۔

عروسِ شہادت کے بعد مرثیہ "شہزادی شہربانو"۔ ذبحِ عظیم، "علی علام

اور "احسن تقویم" کو ایک سال دس ماہ کی مدت میں ان مراثی کو مکمل کرنے کی سعادت مجھے نصیب ہوئی۔ میں اس کے تفصیل میں نہیں جانا چاہتا ہے تو قارئین کرام پڑھ کر فیصلہ کریں گے کہ میں کہاں تک اپنے مقصد میں کامیاب ہوا۔

آخر میں میں جناب سید سبط حسن انجم۔ ڈاکٹر اسد اریب، پروفیسر عاصی کرنالی پروفیسر شمیم ترمذی۔ پروفیسر حسین سحر۔ علامہ سید نصیر شادانی۔ پروفیسر حسن عسکری۔ اور ڈاکٹر سید سعید مرتضیٰ زیدی کا ممنونِ احسان ہوں جنہوں نے اپنے نیک مشوروں سے بندہ ناچیز کو نوازا اور اِن مراثی کے تکمیل میں اخلاقی، علمی تاریخی اور تہذیبی پس منظر سے آگاہ کیا۔ میں مکتبہ اہل قلم ملتان کا بھی شکر گذار ہوں جنہوں نے ان مراثی کے طباعت میں میری مدد فرمائی۔

شکریہ

سیّد شبیر احسن زیدی
ملتان

عروس شہادت
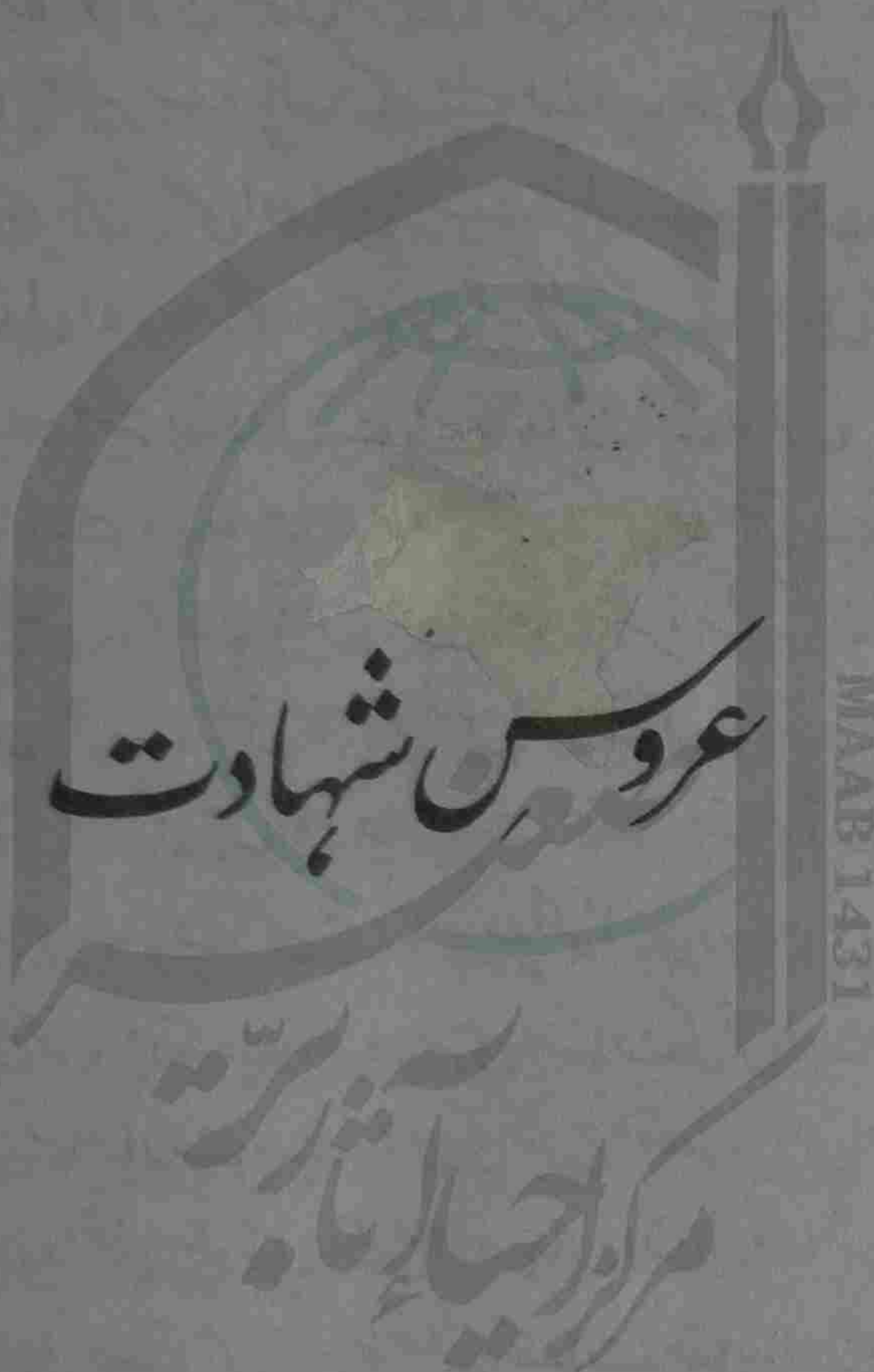
سیّد شیدا حسن زیدی کے
نوتصنیف مرثیے پر ایک نظر

(حسن عسکری کاظمی)

مرثیہ نگاری کا فن مخصوص مزاج، ماحول اور تربیت کا تقاضی ہے۔ مرثیے کا تاریخی ارتقا برصغیر ہندوپاک کے ایسے مہذب علاقوں شائستہ خطوں اور ثقافتی مرکزوں سے وابستہ ہے۔ جن کی علمی اور ادبی حیثیت مسلمہ ہے۔ جہاں مذہبی فضا ہر اعتبار سے موزوں معتدل اور سازگار رہی۔ مرثیہ تخلیق کرنے والوں کا تعلق ایسے خاندانوں سے رہا ہے اور بیشتر نقادوں نے ان خاندانوں کے حوالوں سے اپنی تحریر کو معتبر اور مستند بنایا ہے، یہ بات بلاخوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ مرثیہ کہنے کی آرزو اور اس کی تخلیق دو مختلف باتیں ہیں۔ نامور شعرا مرثیہ کہنے کی تمنا دل میں رکھنے کے باوصف محض اس لیے تخلیق کا بیڑا نہیں اٹھاتے کہ

ع اس میں دو چار بہت سخت مقام آتے ہیں

دوسری اصنافِ سخن میں نام پیدا کرنا بھی آسان نہیں۔ لیکن مرثیے میں وہ سب کچھ جمع کرنا ہوتا ہے۔ جو دوسری اصناف کی فنی اور معنوی خصوصیات کے مجموعی حُسن سے عبارت ہے۔ اس کی شرح مقصود نہیں، صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ خارجی اور داخلی پہلوؤں کے علاوہ یہاں انسانی معاشرت کے وہ تمام نقوش اُبھرتے دکھائی دیتے ہیں۔ جن کا تعلق نفسیات عقائد اور خیر و شر کی آویزش سے پیدا ہونے والی صورتِ حال سے ہے، یہی وہ نازک معاملات ہیں۔ جہاں سے بخیر و خوبی گزرنا آسان نہیں، شاعر کو اپنی جملہ قوتوں کو مجتمع کرنے، شعور کی ہمہ جہت پھیلی ہوئی روشنی میں ایک ایسے سفر پہ روانہ ہونے کے قابل بنانا ہے۔ جہاں ہر قدم پہ نادیدہ منظر، خوابناک وسعتیں اور ماضی کے نہاں خانوں سے اُبھرنے والے چہرے اپنے اچھے اور بُرے خدوخال کے ساتھ مصروفِ عمل دکھائی دیتے ہیں، ماضی کو حال سے پیوست کرنے کا یہ جاں گداز رُخ مرثیے کی تخلیق کو اور بھی پیچیدگی عطا کرتا ہے جو کسی بھی شاعر کو فکرِ سخن سے پہلے بہت

کچھ سوچنے پر مجبور کر دیتا ہے۔

مرثیے کی صنف پر جملۂ تنقیدی سرمائے کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ناقدین نے مرثیہ نگاری کو عقائد سے ہٹ کر دیکھا اور پرکھا ہے اور اس صنفِ ادب کو میر انیسؔ سے عصرِ حاضر تک زندہ اور متحرک پایا ہے، موجودہ عہد کے مرثیہ نگاروں کی تخلیقات پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے جدید مرثیے میں ایسے نئے عناصر کی کھوج بھی لگائی ہے۔ جس سے عہدِ ماضی کے مرثیہ نگار اس لئے بے تعلق رہے کہ ان کے ہاں انقلاب سے زیادہ اُس روایت کا دخل رہا۔ جس کی رُو سے رُونا، رُلانا اور داخلِ حسنات ہونا اجتماعی طور پر درست خیال کیا جاتا رہا اور جہاں مرثیے کو ادبی حیثیت سے وقیع گردانا جاتا رہا۔ ان کے ہاں ماضی کے آئینے میں مستقبل کی پرچھائیں دیکھنے والی آنکھ پر عقائد کا پردہ پڑا ہوا تھا۔ وہ واقعات کو رقم کرنے اور درد وغم کی فضا پیدا کرنے میں اپنا جواب آپ تھے۔ وہ رقت آفرینی کی خاطر عرب کی معاشرت میں ہند کی مسلم معاشرت کی پیوند کاری کو جائز تصور کرتے، وہ رسم ورواج اور رشتے ناطوں میں مقامی مزاج اور لہجے کو شامل کرنا، عورتوں کی گفتگو میں ان کی قربانیوں سے زیادہ انسانی جذبوں کے اظہار پر زیادہ زور دینا اس عہد کے زوال پذیر معاشرے کی فطری ضرورت سمجھتے تھے اور کربلا کی شیر دل خواتین کے منہ میں لکھنؤ کی نازک مزاج عورتوں کا روزمرّہ یا اولاد کی وقتِ رخصت بلائیں لینا ایسا اندازِ اظہار ہے۔ جس سے واقعات کی صداقت پر تو کوئی حرف نہیں آتا۔ البتہ واقعۂ کربلا میں شامل خواتین کی عظمتِ کردار کا وہ نقش جو محض واقعہ کی صداقت بیانی سے پیدا ہوتا ہے۔ اس قسم کی رنگ آمیزی اور مقامی رسوم کی آلودگی سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ لیکن عہدِ موجود کا مرثیہ بڑی حد تک مقصدیت اور فن کے حسین امتزاج سے وجود پاتا ہے اور اس کی اٹھان فلسفہ وفکر کی مرہونِ منت ہے۔ آج کے مرثیے میں واقعہ نگاری کی طرف توجہ تو دی جاتی ہے۔ مگر ایسی جزئیات نگاری سے پرہیز کیا جاتا ہے۔ جس سے ماضی کے مرثیہ نگار وقت ضرورت کام لیتا رہا۔ البتہ آج مرثیے میں موضوع کے ساتھ نہ صرف انصاف کیا جاتا ہے۔ بلکہ اعلیٰ مقاصدِ حیات کے پیشِ نظر انقلاب

آفرین عناصر کو شامل مرثیہ کرنے کا صحت مند رجحان قابل ذکر ہے۔ جس سے آج کا مرثیہ ایسا مقام حاصل کر چکا ہے کہ پاکستان میں اس صنفِ شاعری کو نئی زندگی ملی، بہرحال یہ بہت تفصیل طلب گفتگو ہے۔ اس وقت ہمیں عہدِ موجود کے مرثیہ نگار سید شید احسن زیدی کے نو تصنیف مرثیے پر کچھ کہنا مقصود ہے۔ سید شید احسن زیدی کے بارے میں اتنا عرض کرنا ضروری ہے کہ وہ خانوادۂ سادات بارہہ کے ایک فردِ منفرد ہونے کے ناطے جملہ خاندانی صفات کا مرقع ہیں۔ ان کا خاندان ماضی میں ذہانت، فطانت، شجاعت اور جرأت کا پرچم بلند رکھے نظر آتا ہے۔ جبکہ آج اس خاندان کے افراد نے اسلاف کے کارناموں کی بازیافت کے لئے نئی جہتوں کا انتخاب کیا ہے۔ کہیں وہ انتظامی صلاحیتوں سے بہرہ ور ہیں۔ کہیں شعر و ادب میں نام پیدا کیا جا رہا ہے اور کہیں دینی خدمات کو اپنے لئے وجہ افتخار سمجھا جا رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے خاندانی ماحول میں علم و ہنر سے شیفتگی اور مذہبی امور سے وابستگی ایک ایسی روشن مثال ہے۔ جس کے اثرات شید احسن زیدی کی دل پذیر شخصیت میں جذب ہوتے چلے گئے۔ ان میں یہ تمام خوبیاں اس طرح جمع ہو گئی ہیں کہ وہ بحیثیت منتظم، ادیب، شاعر اور مذہبی مؤرخ اپنی صلاحیتوں کی دھاک بٹھا چکے ہیں۔ وہ اپنی تمام تر مصروفیات کے باوصف اپنے علمی و ادبی ذوق کی تسکین کے لئے کچھ نہ کچھ وقت نکال لیتے ہیں۔ ان کے فرائض منصبی کی نوعیت ایسی ہے کہ وہ صبح سے شام تک بنکاری کے شعبے کی ترقی اور اس سے وابستہ مسائل حل کرنے میں اپنی توانائیاں صرف کرتے ہیں۔ وہ نظامِ بنکاری کے اہم ستون کی حیثیت سے مختلف اعلیٰ انتظامی عہدوں پر کام کرتے چلے آ رہے ہیں۔ لیکن مطالعے کا شوق، اہل علم اور اہل قلم سے دوستی، علمی، ادبی اور تاریخی عوامل سے متعلق تحقیق کا ذوق انہیں ورثے میں ملا ہے۔ ان کے خاندان میں بہت سے اہل قلم اور مرثیہ نگار اپنی عظمتِ فن کا لوہا منوا چکے ہیں۔ اسی احساسِ تفاخر کے باعث شید احسن زیدی کی یہ طلب رہی کہ وہ بھی اسی حوالے سے پہچانے جائیں۔ یوں بھی سادات بارہہ میں ذہین افراد ہر دور میں نمایاں نظر آتے ہیں۔ جن کی مساعئ جمیلہ سے زندگی کے مختلف شعبوں میں انقلابی تبدیلیاں رونما ہوتی رہیں اور مروجہ علوم و فنون کے فروغ میں ایسے افراد

کی خدمات لائق ستائش قرار پائیں خصوصاً مرثیہ نگاری اور مرثیہ خوانی کی تاریخ میں تسلسل کے ساتھ بہت سی جانی پہچانی شخصیتوں کے نام سامنے آتے ہیں بھلا ڈاکٹر سید صفدر حسین مرحوم جیسی قدآور شخصیت کی علمی اور ادبی بصیرتوں سے کون آگاہ نہیں برصغیر ہند و پاک میں ہر جگہ ان کے کارناموں کی دھوم مچی ہے۔ ان کے تحقیقی مقالے، ادبی شہپارے اور عظیم مرثیے وقت کے نامور نقادوں سے خراج تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ شید احسن زیدی نے ان کی صحبت میں جو کچھ حاصل کیا اور جس طرح ان کا شعری ذوق اُبھرا اور نکھرا، اس کا اندازہ صرف اس ایک بات سے کیا جا سکتا ہے کہ ڈاکٹر صفدر حسین لاہور سے شیخوپورہ تشریف لے گئے تو شید احسن زیدی اسی آخری سفر میں ان کے ہمراہ تھے۔ نوتصنیف مرثیہ پڑھنے کے دوران میں جب ڈاکٹر صفدر حسین کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی تو شید احسن زیدی ان کا جسدِ خاکی واپس لاہور لائے۔ وہ مرحوم کی زندگی میں مختلف مشاعروں، ادبی محفلوں اور مسالموں میں شمولیت کی غرض سے کراچی سے پشاور تک گھومے۔ شید احسن زیدی نے بہت کچھ لکھا۔ لیکن مرثیہ کہنا کمالِ فن کی دلیل ہے۔ اس لئے ان کے اندر کا مرثیہ نگار پہلو بدلتا رہا۔ لیکن وہ اپنی مصروفیت کے باعث مناسب وقت کا انتظار کرتے رہے۔ آخر وہ دن آیا کہ مرثیہ کہنے کا آغاز ہوا۔ دُعا کی خاطر ہاتھ بلند ہوئے اور بارگاہِ امامت میں زیرِ لب التجا کرتے ہوئے قلم تھاما، اشک رواں کی مشعلیں طاقِ نظر میں فروزاں ہوئیں۔ مصرعے موزوں ہونے لگے۔ وہ شعر کے سینے پر نادِ علی دَم کرتے گئے، شعروں سے بند اور بندوں سے مربوط صورت میں مرثیہ وجود پانے لگا، حرفِ آغاز سے مرثیے کے انجام تک ایک ہی خیال دامن گیر ہوا کہ اس مرثیے کے ہیرو حضرت وہبِ کلبی کی معجز نما شخصیت اور دل آویز سیرت کے مختلف پہلوؤں کو اُجاگر کرنے میں ان کے قلم سے گلِ حرف کی صورت ایسا خوبصورت چمن تیار ہو جائے جس میں اس نوشاہ کی شہادت کے سدا بہار پھولوں سے مرثیے کا ہر گوشہ مہکتا رہے اور مرثیے کے چمن زار میں کبھی خزاں کا گزر نہ ہو۔

سید شید احسن زیدی نے مرثیے کی روایت کو سامنے رکھتے ہوئے اس مرثیے کا منفرد چہرہ تخلیق کیا جو اس مرثیے کی پہچان بن گیا ہے۔ چہرے میں حدیثِ

قدسی کی شرح، نورِ اولین کی تخلیق، اس نور کے وجودِ مسعود سے معصومین کے انوارِ مقدسہ کا ظہور اور اسی طرح زمین و آسمان، فرشتے، آدم، خیر و شر کی قوتیں اور ان کی آویزش کا سلسلہ حرفِ تمہید کی صورت سامنے آتا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات ایک کنزِ خفی کی مثال تھی۔ جسے آشکار ہونے کے لئے تخلیقِ کائنات کی اصل کو وجود میں لانا تھا۔ جسے نورِ اولین — یا لولاک لما خلقت الافلاک کا اعزاز حاصل ہے۔ یہ وہ چہرہ ہے، جسے بقا حاصل ہے۔ اسی چہرے کو مرثیے کا چہرہ بنا کر شید احسن زیدی نے آغاز کیا۔

اِک کنزِ خفی تو تھا مگر تُو نے جو چاہا
اِک نور کو خود نور سے اپنے ہی بنایا
تُو عالمِ اعلیٰ تھا اسے علم سکھایا
پھر لاکھ حجابوں میں اسے تُو نے چھپایا
تکمیل میں خلقت کی وہ تدبیر تھی تیری
یا پیکرِ انوار میں تصویر تھی تیری

گویا نورِ رسالت مآب نے سجدۂ خالق کے تسلسل اور حمد و ثنائے پروردگار کی کثرت کے باعث عرش پر احمد نام پایا اور فرش پر تشریف لائے تو محمدؐ کہلائے۔ حضورؐ کی منزلت کا ادراک تو کسے نصیب ہے۔ لیکن شید احسن زیدی کی عقیدت سرو چراغاں کی طرح اپنے مخصوص انداز میں مرثیے کو منور کرتی ہوئی قاری کو سیلابِ نور میں بہالے جاتی ہے اور خالقِ کائنات کی بے پایاں نوازشوں کے ساتھ ساتھ نورِ ختمی مرتبت کی خلقت اور اس نور سے نورِ آئمہ معصومین کی تخلیق کا مرحلہ ایک ناقابلِ بیان وارفتگی اور سرور و کیف سے ہمکنار کر دیتا ہے۔

جب سجدۂ معبود میں وہ نور جھکا تھا
تسبیح و وظائف سے اسے قرب ملا تھا
طاعت میں اسے تُو نے بڑا رتبہ دیا تھا
کیا عشق تھا وہ حُسن میں محبوب بنا تھا

مالک کیا جب تو نے اسے لوح و قلم کا
کونین میں چرچا تھا ترے فضل و کرم کا

یہ نورِ نبوت بارہ حجابوں سے گزرتا معراجِ عظمتِ آدم کی شہادت دیتا ہوا رحمت اللعالمین کا لقب، پاکر رب اللعالمین کا محبوب بنا۔ کوئی مقام ایسا نہ رہا۔ جہاں حبیب پاک کی رحمت سایہ فگن نہ ہو۔ شید احسن نے ان تمام مراحل سے گزرتے ہوئے مقدور بھر کوشش کی ہے کہ روایت کی حقیقت کو مؤثر انداز میں پیش کیا جائے۔ حضرت آدم نے اس نورؐ کے بارے میں جبریل امین سے پوچھا

جبریل نے کی عرض کہ اے آدم اعلیٰ
جس دن سے میں پیدا ہوا دیکھا یہی جلوہ
یہ خلقت اوّل ہے تو وہ خالق یکتا
خلّاق دو عالم ہے انہی پانچوں کا شیدا

یہ احمدِ مختار ہیں زہراؑ ہیں علیؑ ہیں
اور شبّرؑ و شبیرؑ سے ابنائے نبیؐ ہیں

شبیدِ احسن نے مذہبی روایات میں سے قابیل کے ہاتھوں ہابیل کے قتل اور حضرت آدم کے صبر کی مثال کو آگے بڑھاتے ہوئے تاریخ انسانی کا مطالعہ کیا ہے۔ ان کا یہ کہنا بجا ہے کہ ہر دَور کے ستم ایجاد کے مقابل خیر کی قوت کو اپنی تمام تر ناتوانیوں کے باوجود ثابت قدم دیکھنا ہو تو اس کی منفرد مثال حسین ابن علی ہیں۔

تاریخ میں ہر بانیٔ بیداد کو دیکھو
فرعون کو نمرود کو شداد کو دیکھو
ظلم و غضب و جور کی روداد کو دیکھو
ہاں دیکھو یزید ستم ایجاد کو دیکھو

اس نے وہ جفائیں کیں ولی ابن ولی پہ
سب ختم مصائب ہیں حسین ابن علی پہ

یہی وہ مرحلہ ہے جہاں سے شہادت وہب کلبی کے لئے فضا پیدا کی گئی لیکن اس فضا میں صبح عاشور طلوع ہونے سے پہلے اور دن ڈھلنے تک کے واقعات

کو بھی اجمالاً سامنے رکھا گیا ہے۔ جس میں امام عالی مقام کے سفر شہادت تک اہم واقعات کا انتخاب کرتے ہوئے تکمیل شہادت کا مرحلہ طے کرنا مرثیہ نگار کے پیش نظر رہا ہے جیسے۔

دریا کی ترائی سے ہٹائے گئے خیمے
جلتی ہوئی ریتی پر لگائے گئے خیمے
بوئے گل زہرا سے بسائے گئے خیمے
لیکن یہی اک روز جلائے گئے خیمے

عاشور محرم کو قیامت کا سماں تھا
مقتل میں لہو بہتا تھا خیموں میں دھواں تھا

مرثیہ نگار نے وقت عصر امام عالی مقام کی تنہائی کا مرقع پیش کرنے کے بعد ایک مضبوط روایت کے حوالے سے پس منظر کو اُبھارنے کے لئے ماضی میں جھانکا۔ یہ انداز اظہار مرثیے کی پوری فضا کو اس طرح تبدیل کر دینے کا عمل ہے کہ واقعہ نگار آج کے واقعے کا پس منظر ابھارنا چاہتا ہے تاکہ آج ایک نوشاہ کے جذبۂ شہادت کی معنویت واضح ہو جائے اور یوں ہماری توجہ روز عاشور سے عہد امامت اول کی طرف مبذول ہونا اس المیے کی صداقت کو اور بھی اعتبار آشنا کرنا ہے۔ یہ مرحلہ تمثیل کی جان ہے۔ جسے حقیقی واقعات میں برتنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ پس منظر سے پردہ اُٹھانے سے حال کی فضا اور روشن ہو جاتی ہے اور واقعات کی کڑیاں مربوط اور مستحکم ہو جاتی ہیں۔ گویا مرثیے میں تمثیل کی طرح منظر کے وجود سے پس منظر ابھارنے کو تخلیق کی مؤثر ترین صورت کا نام دیا جا سکتا ہے۔

لکھا ہے مدینے میں تھا اک صاحب کردار
نام اس کا تھا کلبی وہ تھا خوش فہم و خوش اطوار
تھا آل محمدؐ کی محبت میں وہ سرشار
نصرانی تھا پر شیفتۂ احمد مختار

حیدر کی غلامی میں خدا اس کو ملا تھا
سر اس کا عقیدت سے اسی در پہ جھکا تھا

شیدا حسن زیدی کربلا کے ہنگام عصر سے عہدِ خلافت علی تک پھیلے ہوئے کینوس پر مورخ کی طرح نہیں بلکہ ایک فنکار کی طرح صرف اس مواد کو سمیٹنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جو تکمیل مرثیہ کے لئے ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس مرثیے کے ہیرو وہب کلبی کی پیدائش سے متعلق اس کے والدین کی آلِ محمدؐ کے در پر رسائی اور فرزند کی خوشخبری پاکر حق غلامی ادا کرنے کا عہد و پیمان —— ایسی باتیں ہیں جن کا مرثیے میں بیان کرنا لازمی تھا۔

مرثیہ نگار کا مقصود یہ ہے کہ خوش عقیدہ والدین نصرانی ہونے کے باوجود اس گھرانے کی عظمت اور مباہلہ میں بنی نجران کے ساتھ پیش آنے والی صورتحال کے پیش نظر پختہ یقین رکھتے ہیں کہ اُن نفوس قدسیہ کے منہ سے نکلی ہوئی دُعا یقیناً مستجاب ہوگی۔ اس لئے وہ دست بستہ عرض کرتے ہیں۔

صدقے میں نبی کے ہمیں فرزند عطا ہو
محتاج پہ رحم و کرم اے عقدہ کشا ہو
جب وقت پڑے حق غلامی تو ادا ہو
آنچ آئے اگر حق پہ تو وہ حق پہ فدا ہو
یوں زوجہ کو اور مجھ کو جو ممتاز کریں گے
سب اپنے محبوں میں سرافراز کریں گے

مختصر یہ کہ سبطِ پیغمبر حضرت امام حسین علیہ السلام کی دُعا سے اللہ تعالیٰ نے کلبی کو چاند سا بیٹا عطا کیا۔ جس کا نام وہب رکھا گیا اور اس کی پرورش بہت ناز و نعم سے ہوئی۔ کلبی کو بیٹے کا بیاہ دیکھنے کی تمنا رہی۔ بیوہ ماں نے بیٹے کی شادی کا اہتمام کیا اور دلہن بیاہ کر لے جا رہی تھی کہ کربلا کے دشت بے امان سے گزر ہوا۔

ماں زندہ تھی ارمان جو دل میں تھا نکالا
بن باپ کے فرزند کا بیاہ اس نے رچایا
تھا گرم سفر وہب مع مادر و زوجہ
اس دشت میں طے منزلیں کرتا ہوا پہنچا

میدان میں دیکھا کہ بہت لاشے پڑے ہیں

گھیرے ہوئے اک شخص کو کچھ لوگ کھڑے ہیں

حضرت وہب کلبی کی منفرد شہادت پر سید شید احسن زیدی سے گفتگو ہوئی تو انہوں نے خوبصورت بات کہی کہ واقعہ کربلا میں امام مظلوم کے حوالے سے جس شہید پر نگاہ جاتی ہے۔ معلوم یہی ہوتا ہے کہ صبر و رضا کی مسافت طے کرنے کا ہر مرحلہ جاں گداز ہے۔ بظاہر یہ واقعۂ شہادت روزِ عاشورسہ پہر تک پھیلا ہوا ہے۔ لیکن ہر شہید کے واقعۂ جاں سپاری کی جزئیات کا تجزیہ کرنے سے جہاں اس شہید کی عظمتِ کردار کا نقش دل پر مرتسم ہوتا ہے۔ وہاں امام عالی مقام کی شمشیرِ نظیر کے جوہر کھلتے نظر آتے ہیں۔ ان کی غیر متزلزل ثبات قدمی مقصدِ شہادت میں یقین اور دینِ حق کی بقا کے لئے اپنا سب کچھ قربان کرنے کا جذبہ ہمارے دل کی دھڑکن بن جاتا ہے۔ شید احسن زیدی نے مزید اس خیال کی صراحت کرتے ہوئے دل پذیر نکتہ پیش کیا کہ خانوادۂ رسالت کے افراد کی تربیت میں تسلسل کے ساتھ نفوسِ قدسیہ کا قربِ زمانی رہا جو یقیناً صاحبانِ عصمت وطہارت تھے۔ لیکن کربلا میں شہادت پانے والے دوسرے افراد کے جذبۂ ایثار و قربانی کو دیکھتے ہوئے ہم سراپا آئینہ حیرت بن جاتے ہیں کہ مختلف قبائل سے تعلق رکھنے کے باوجود سب کے سب ایک ہی سانچے میں کیسے ڈھل گئے۔ ان کے مزاج میں فکر و عمل کا حسین امتزاج کیسے ہوا۔ وہ سب کے سب موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکرانے کی ادا کیوں کر سیکھ گئے۔ انہوں نے عافیت کوشی کی راہ اختیار نہیں کی ـــــ خصوصاً میرے اس نوتصنیف مرثیے کا مرکزی کردار وہب کلبی تو ایسا شہید ہے جو اپنی ضعیف بیوہ ماں کے ہمراہ اپنی دلہن کو بیاہ کرلے جا رہا ہے۔ وہ ایک ایسے راستے کا مسافر ہے۔ جہاں سے کربلا کے خونین منظر کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ وہ اپنی مسرتوں اور شادمانیوں کی جاں فزا منزل کی طرف گامزن ہے۔ اس کی بوڑھی ماں کی آرزوؤں کی تکمیل کا زمانہ سانس لے رہا ہے اور اس کی اپنی چشمِ تصور میں اس کا مسکراتا مستقبل کربلا کے گرم ریگ زار سے دور ایک خوشنما جزیرے کی طرح تھا۔ جہاں پہنچنے کا خواب ایک حقیقت بن چکا تھا۔ لیکن

وہب کلبی کی پوری نفسیات بدلی ہوئی ہے۔ ماں نے اپنے محسنوں کی خاطر مستقبل کی تمام خوشیوں کو قربان کر دینے کا عزم کیا ہوا ہے۔ وہ بتا رہے تھے کہ یہ ایسے مرحلے تھے۔ جہاں سے گزرنا آسان نہیں اور اس صورتحال کو دیکھتے ہوئے شیدا حسن نے کربلا کے دشت بلاخیز میں داخلۂ وہب کلبی کے حسین مرقع یوں کھینچا ہے۔

داخل ہوا اس دشت بلاخیز میں یکبار
لشکر میں ہوا شور خبردار ـــــ خبردار
شبیر کی نصرت کو کوئی آتا ہے ہشیار
شہ نے کہا اعدا سے کہ اے قوم ستمگار

کون آئے گا اس وقت طرفدار ہمارا
خالق کے سوا کون ہے غمخوار ہمارا

اسی مقام پر مکالمے کا انداز فطری، سادہ اور برمحل ہے۔ جس میں تصنع کا دخل نہیں۔ ایسی صورت حال میں ایک اجنبی مسافر اور گروہِ اشقیا کے ایک فرد کے درمیان یہی گفتگو ممکن تھی۔

کی فوج کے ایک شخص سے یوں وہب نے گفتار
بے جاں ہیں پڑے خاک پہ یہ کون خوش اطوار
وہ بولا مسافر ہے تو کیا تجھ کو سروکار
یہ فوجِ یزیدی ہے وہ ہے فوج کا سردار

اس فوج سے لڑ کر جو تباہی میں پڑا ہے
بے یار و مددگار وہ میدان میں کھڑا ہے

شبیرؑ ہے نام اس کا یہ فرزند نبیؐ ہے
دل بند ہے اس شیر کا جو حق کا ولیؑ ہے
ماں فاطمہؑ ہے بھائی حسنؑ باپ علیؑ ہے
حاکم کی جو بیعت نہ کی تلوار چلی ہے

حاکم جو ہمارا ہے طلب گار ہے سر کا
تو راہ لے اپنی جو ارادہ ہے سفر کا

مرثیہ نگار نے اس مختصر مکالمے میں وہب کلبی کا اضطراب اور یزیدی لشکر کے ایک فرد کا جواب جس حقیقت بیانی کے ساتھ منظوم کیا ہے۔ وہ اس مرثیے میں ریاضتِ فن کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اسی طرح ماں بیٹے میں جو گفتگو ہوئی۔ وہ مرثیے میں اثر آفرینی کی عمدہ مثال ہے۔ اس کے علاوہ امام عالی مقام کے حضور پیش ہونے پر وہب کلبی نے جس طرح حقوقِ معرفت کا اظہار کیا اور اذنِ جنگ طلب کیا۔ اس میں یہ ایک مصرعہ کتنا جاندار ہے۔

ع حق آپ کا ماں باپ کے حق سے بھی سوا ہے

صبح سے وقتِ عصر تک امامِ مظلوم نے اپنے سبھی جاں نثاروں کو اذنِ جہاد مرحمت فرمایا۔ لیکن حضرت قاسم اور حضرت علی اکبر کے بعد اب وہب کلبی کو مرنے کی اجازت دینا بھی کربلا کی تاریخ کو حیرت زا بنانے کے مترادف ہے۔ یہی نہیں بلکہ روزِ ازل سے شہادت پانے کی اس بے مثال اور لازوال داستان میں کاتبِ تقدیر نے ایک ایسا محضر نامہ مرتب کیا ہوا تھا جس میں ہر قربانی اپنا جواب آپ تھی۔

نوشہ کا سخن سن کے یہ کہنے لگے حضرت
تو مرنے پہ آمادہ ہے اللہ رے ہمت
تنہا مجھے دیکھا ہے تو آیا ہے نصرت
محضر میں ازل سے ہے رقم تیری شہادت

تو شاملِ انصار ہے اس دشتِ بلا میں
لکھا ہے تیرا نام شہیدانِ دفا میں

وہب کلبی کی والدہ اور زوجہ کو حضرت زینبؑ کے حوالے کیا۔ وہ ان کے بیٹوں کا پُرسہ دینا چاہتی ہیں۔ لیکن آپ فرماتی ہیں۔

ع لے لوں گی میں پُرسہ کہ بہت عمر پڑی ہے

ایسا دل فگار جملہ ہے۔ جس سے حضرت زینب کی اپنے بھائی سے محبت اور اس مصیبت کی گھڑی میں ان نووارد دلہنوں کا ساتھ دینا اور ان کا احسان مند ہونے کا احساس صاف اُبھرتا دکھائی دیتا ہے۔

مرثیے کے ارتقا میں ان مہمان خواتین کے حوالے سے روزِ عاشور پیش کی

جانے والی قربانیوں کا اجمالی مرقع ایک بار پھر سامنے آتا ہے۔ خانوادۂ رسالت کے افراد نے کس طرح جہاد کیا۔ عون و محمد کی لڑائی، قاسم و علی اکبر کی فداکاری، علی اصغر کا تیر کھا کر مسکرانا، ننھی سی قبر بنانے کے لئے امام حسینؑ کا ذوالفقارِ حیدری سے کام لینے کی جانب اشارے ملتے چلے جاتے ہیں اور انتہا یہ ہے کہ

ریتی پہ یہ سب رن میں دل افگار پڑے ہیں
دریا کی ترائی میں علم دار پڑے ہیں

سید شید احسن زیدیؔ نے نوشہ وہب کلبی کی جواں مردی، ثبات قدمی جوش وغا اور جاں سپاری کے کئی رُخ ہمارے سامنے کئے۔ اس نے چن چن کر نام نہاد بلکہ بد نہاد جنگ آزماؤں کو قتل کیا۔ اس مرحلے میں یزیدی لشکر کو ابتر کرنا اور گھمسان کا رن پڑنا ایسے مرقع ہیں کہ چشم تصور اس کا لطف اٹھاتی ہے۔

اتنے میں ادھر وہب گیا جانب مقتل
اُمڈا ہوا تھا چار طرف فوج کا بادل
اعدا پہ جو حملہ کیا بس پڑ گئی بل چل
لشکر کو وہ دکھلانے لگا ہاتھوں کے کس بل
بھگدڑ تھی مچی فوج میں گھمسان پڑا تھا
رن خالی ہوا وہب اکیلا ہی کھڑا تھا

جب حملہ کیا وہب نے ابتر ہوا لشکر
مارا انہیں چُن چُن کے جو بنتے تھے دلاور
دیکھا جو بن سعد نے اس طرح کا منظر
کہنے لگا سرداروں سے خیمے سے نکل کر
اِک شخص کا سر تم سے اتارا نہیں جاتا
بچ بچ کے نکلتا ہے وہ مارا نہیں جاتا

اللہ رے وہ وہب کے ہاتھوں کی صفائی
تھی خوف سے لشکر میں دہائی پہ دہائی

ماں در پہ کھڑی دیکھ رہی تھی یہ لڑائی
حضرت نے کہا خوب لڑا میرا فدائی
ٹکڑے صفِ لشکر کے نظر آتے تھے رَن میں
جی داروں کے بھی ہوش اُڑے جاتے تھے رَن میں

یہاں اس مقام پر پہنچتے ہی ایک عجیب انکشاف ہوتا ہے کہ جب وہب کلبی اپنی جانثاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے فوجِ ستمگار سے مخاطب ہوتا ہے تو قاری کو خبر ہوتی ہے کہ وہب کلبی کا مذہب مسلمانوں سے مختلف ہے۔ وہ نصرانی ہوتے ہوئے اہل بیت رسالت پر ایمان رکھتا ہے۔ انجیل کی قرآن کی اور حضرت عیسٰی کی قسم کھاتا ہے۔ گویا اس مرحلے میں بقول شیدا زیدی وہ عیسائی مذہب پر قائم ہے اور کربلا میں وہ اپنے محسن کی خاطر یہ تیغ آزمائی اس صادق جذبے کے تحت کر رہا ہے کہ اعلیٰ اخلاقی قدروں کا یہی تقاضا تھا۔

کہنے لگا یہ وہب جری فوج سے اس آن
پانی نہ دیا پیاسوں کو کیسے ہو مسلمان
اللہ کا کچھ خوف نہ مہمان کا تمہیں دھیان
نصرانی ہوں پر ہے مرا شبیر پہ ایمان
انجیل کی قرآن کی عیسٰی کی قسم ہے
تم سب کو میں ماروں گا جو دم میں مرا دم ہے

یہی وہ پہلو ہے جس سے متعلق اختلافِ نظر پیدا ہوتا ہے۔ آیا وہب کلبی کی والدہ اور زوجہ حصارِ حلقۂ مظلومیت میں آنے کے وقت تک اپنے مذہبی تشخص میں نصرانی تھے یا مسلمان ہو چکے تھے اور وہب کلبی نے جہاد سمجھ کر نصرت کا حق ادا کیا یا وہ اس گھرانے سے تمسک کی بنا پر امام عالی مقام سے اتنی عقیدت رکھتے تھے کہ اپنی تمام خوشیوں کو ان پر قربان کر دیا جائے۔ اس کا فیصلہ وہی کر سکتے ہیں جو تاریخ کربلا پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ لیکن سید شیدا حسن زیدی کا مؤقف یہ ہے کہ وہ نصرانی ہوتے ہوئے بھی اس عظیم المرتبت گھرانے اور خصوصاً محسن انسانیت حضرت امام حسین علیہ السلام سے بے پناہ محبت اور عقیدت رکھتے ہوئے ان کے

اس احسان کا حق ادا کرنا ضروری سمجھتے تھے جو زمانہ خلافت علیؑ میں کلبی کے حق میں دُعا کی قبولیت کی صورت میں ہوا اور جس کے نتیجے میں کلبی کو دہب جیسا اطاعت شعار اور حق شناس بیٹا عطا ہوا۔ جس نے واقعۂ کربلا میں ایک نئے انداز سے منفرد کردار پیش کیا۔ یہی نہیں بلکہ دہب کلبی کی شہادت کے بعد اس کی نوبیاہتا زوجہ نے جس حق آگہی کا ثبوت فراہم کیا اور جس طرح اس کی عملی تفسیر بن کر اس نے کربلا کی واحد شہید خاتون ہونے کا اعزاز حاصل کیا۔ اسے سید شید احسن زیدی نے ایجاز و اختصار اور کمال مہارت سے شامل مرثیہ کیا ہے۔ یقیناً یہ وہ کارنامہ ہے جسے اس نو تصنیف مرثیے میں فعال صورت میں جاودانی بخشی گئی ہے۔ یہ وہ سعادت ہے جو مرثیہ نگار کا مقدر بنی اور مرثیہ نگاری میں ان کا نام بھی اسی طرح یاد رکھا جائے گا اور جیسے ہمارے عہد کے دوسرے مرثیہ نگاروں کو زندگی ملے گی۔ اسی طرح شید احسن زیدی بھی بحیثیت مرثیہ نگار اپنا مقام بنانے اور تخلیقی صلاحیت منوانے میں کامیاب رہیں گے۔

مرثیہ

جب تیرے سوا کوئی بھی موجود نہیں تھا

مستور ترا جلوہ تھا مسجود نہیں تھا

امکاں میں کوئی ہست نہیں بود نہیں تھا

بس تو ہی تھا اور کوئی بھی معبود نہیں تھا

کوئی بھی نہ تھا تیرے سوا تُو ہی فقط تھا

کچھ بھی نہ تھے یہ ارض و سما تُو ہی فقط تھا

۱

اک کنزِ خفی تو تھا مگر تو نے جو چاہا
اک نور کو خود نور سے اپنے ہی بنایا
تو عالمِ اعلیٰ تھا اسے علم سکھایا
پھر لاکھ حجابوں میں اُسے تو نے چھپایا
تکمیل میں خلقت کی وہ تدبیر تھی تیری
یا پیکرِ انوار میں تصویر تھی تیری

۲

پھر منبعِ انوار سے جب نور نکالا
تو نے اُسے اک نقطۂ محفوظ میں ڈھالا
قدرت نے تری اسکو محبت سے سنبھالا
اس نور کے تھا گرد ترے نور کا ھالا
نقطے میں جو قدرت کا کرشمہ نظر آیا
پردہ جو اُٹھا تیرا سراپا نظر آیا

۳

جب سجدۂ معبود میں وہ نور جھکا تھا
تسبیح و وظائف سے اسے قرب ملا تھا
طاعت میں اُسے تو نے بڑا رتبہ دیا تھا
کیا عشق تھا وہ حسن میں محبوب بنا تھا
مالک کیا جب تو نے اُسے لوح و قلم کا
کونین میں چرچا تھا ترے فضل و کرم کا

۴

وہ نور چلا بارہ حجابوں سے گذر کے
طاعت میں نبوت میں شفاعت میں سنور کے
قدرت میں ہدایت میں مشیت میں اُبھر کے
چند اور حجابوں میں مراحل تھے سفر کے
منزل میں پہنچ کر ہوا عظمت کا نظارہ
مخلوق پہ خالق کی کرامت کا نظارہ

۵

پھر خلق کیے نور سے یہ چاند ستارے
تھے مشرق و مغرب میں بھی سورج کے نظارے
تخلیقِ نباتات و جمادات و شرارے
پھیلے ہوئے بادل سے گرے پانی کے دھارے
سورج کے اُجالے تو اندھیروں سے بنے ہیں
ضو دیتے ہوئے دھندلے سویروں سے بنے ہیں

۶

پھر خلق کیا نور سے افلاک و زمیں کو
دوزخ کو بھی جنّت کو بھی اور عرشِ بریں کو
غلمان کو حوروں کو بھی اور رُوح الامیں کو
سجدے میں جھکا ڈالا فرشتوں کی جبیں کو
مردودِ جہاں خلق میں مقہور تھا شیطاں
آدمؑ کی عداوت میں جو مشہور تھا شیطاں

۷

ابلیس تھا نام اس کا وہ آتش سے بنا تھا
ہر ایک جگہ اُسنے ترا سجدہ کیا تھا
استادِ ملک سب میں وہ مشہور ہوا تھا
ہر سجدہ پہ اس نے تجھے معبود کہا تھا

۸

وحدت میں تری اسکو بہر طور یقیں تھا
محفل میں فرشتوں کے رہا عرش نشیں تھا

مٹی کا شرف کیا ہے یہ پھر تو نے بتایا
جب باد کو اور آگ کو پانی میں مِلایا
جب گندھ گئی مٹی تو پھر اک پتلا بنایا
اور عرش کے پہلو میں اُسے تو نے لٹایا

۹

خلقت یہ فقط تیری نیابت کے لئے تھی
طاعت کے لئے اور خلافت کے لئے تھی

ابلیس نے آدمؑ کو مکرم نہیں سمجھا
اس خاک کے پتلے کو معظم نہیں سمجھا
خالق کی مشیت کو مقدم نہیں سمجھا
مغرور ہوا رتبۂ آدمؑ نہیں سمجھا

۱۰

میزانِ تکبر میں جو اعمال تلے تھے
شیطاں کے لئے راستے لعنت کے کھلے تھے

سارے ہی نبیؑ بعد میں پھر خلق ہوئے تھے
قطروں سے پسینے کے وہ خوشبو میں بسے تھے
جو اُن میں اُولوالعزم تھے رتبے میں بڑے تھے
اور پنجتنِ پاکؑ کے صدقے میں بنے تھے

۱۱

اک نور کی عظمت جو وسیلہ تھی دعا میں
آئی نہ کمی کوئی بھی خالق کی عطا میں

جب کر چکا وہ حمد و ثنا لوح پہ چمکا

روشن ہوا وہ عرش پہ با زینت و زیبا

۱۲

آدمؑ کی کھلی آنکھ تو دیکھا یہ کرشمہ

ہر سمت نظر آیا اُسے نور کا جلوہ

آنکھوں سے بڑھا نور تو دل میں اُتر آیا

کہنے لگے جبرئیلؑ سے یہ کیا نظر آیا

جبرئیل نے کی عرض کہ اے آدمؑ اعلیٰ

جس دن سے میں پیدا ہوا دیکھا یہی جلوہ

۱۳

یہ خلقتِ اوّل ہے تو وہ خالقِ یکتا

خلاقِ دو عالم ہے انہیں پانچوں کا شیدا

یہ احمدؐ مختار ہیں زہراؑ ہیں علیؑ ہیں

اور شبرؑ و شبیرؑ سے ابنائے بنی ہیں

یہ سنتے ہی آدمؑ نے کیا شکر کا سجدہ
پھر آنکھوں ہی آنکھوں میں کیا دور سے مجرا

۱۴

دل میں جو اُتر آیا تھا اُس نور کا جلوہ
تھا پشت سے آدمؑ کے وہی صاف ہویدا
پیشانی پہ پھر پشت سے آیا زہے قسمت
اس نور نے یوں جلوہ دکھایا زہے قسمت

پھر آئی ندا غیب سے اے آدمؑ و حواؑ
ہاں دیکھا بھلا تم نے میرے نور کا جلوہ

۱۵

ہم نے کئے افلاک اسی کے لئے پیدا
دنیا ہے اسی نورِ معظم کا کرشمہ
ہیں اس کے ہی اسرار عیاں سارے جہاں پر
پرتو ہے اسی نور کا بس کون و مکاں پر

پیشانیٔ آدمؑ سے یہ پھر شیثؑ تک آیا
تھا نور کا فیضان یہ اور نوحؑ پہ سایا
عابرؑ کو یہ شالحؑ کو یہ تارخؑ کو بھی بھایا
الیاسؑ و براہیمؑ نے بھی نور یہ پایا

۱۶

اِس نور کا تھا فیض جو ممتاز ہوئے تھے
سب خلق خدا میں وہ سرافراز ہوئے تھے

اخلافِ براہیمؑ سے تھی نور کی تقریر
پیشانیٔ ہاشمؑ سے بڑھی ہے میری توقیر
دیکھی نہ تھی میں نے کہیں اس طرح کی تصویر
ہاشمؑ کے گھرانے کو ملی نور کی جاگیر

۱۷

کعبے کو شرف جس سے ملا میرے سبب ہے
جس کو ہے سدا قربِ خدا میرے سبب ہے

عبدؑ اللہ نے اور آمنہؑ نے اوج یہ پایا

صلبِ ابوطالبؑ نے شرف اور بڑھایا

اس نورؐ کے دو ٹکڑے ہوئے جب تو یہ دیکھا

اک ٹکڑا محمدؐ کا تھا اک ٹکڑا علیؑ کا

۱۸

اس نور کے ہر جُز سے نکھرتا ہے اُجالا

دنیا کو انہیں دونوں سے ملتا ہے اُجالا

شامل ہیں اسی نور میں بنتِ شہ بطحیٰ

ہے پیش خدا اُن کا بڑا درجہ و رتبہ

صدیقۂ کبریٰؑ ہیں فقط خلق میں یکتا

خالق کا ہے منشا وہی جو اُنکا ہے منشا

۱۹

شہزادئ کونین ہیں، بیٹی ہیں نبیؐ کی

حسنین کی مادر ہیں، تو زوجہ ہیں علیؑ کی

یہ خانۂ انوار بھی تھا کتنا مکرم
در چومتا تھا آنکھوں سے خود نیرِ اعظم
۲۰
ہر نور کے تھا زیرِ قدم عرشِ معظم
خلاق نے خلقت میں کیا اسکو مقدّم
یہ نورِ ازل سارے اماموں کو ملا تھا
سب جزوِ محمدؐ تھے انہیں قربِ خدا تھا

ہے راویوں کا قول سُنیں صاحبِ ایمان
مصروفِ عبادت میں تھے انکو نہ تھا کچھ دھیان
۲۱
سجدوں میں ثنا حق کی کیا کرتے تھے ہر آن
خوشنودیِ خالق میں کٹی عمر ہر عنوان
تسبیح و وظائف کا یہ انجام ہوا ہے
دنیا میں اور عقبیٰ میں بڑا نام ہوا ہے

بیٹوں میں جو آدمؑ کے تھا ہابیلؑ خوش اطوار
وہ مرضیِ معبود سے غافل نہ تھا زنہار
طاعت سے عبادت سے تھا ہر لحظہ سروکار
پیارا تھا بہت حضرتِ آدمؑ کو وہ دلدار
ہابیلؑ کو دل سے بھی قریں پاتے تھے آدمؑ
بیٹے کی محبت میں جیئے جاتے تھے آدمؑ

۲۲

ناگاہ سُنا خواب میں آدمؑ نے یہ فرمان
یہ چاہتا ہے خالقِ انس و ملک و جان
بیٹوں سے کہو مال کریں ہم پہ وہ قربان
ہابیلؑ تو خوش ہو گیا قابیل پریشان
دیندار کبھی دہر سے الفت نہیں رکھتے
حرص و ہوسِ زر سے وہ رغبت نہیں رکھتے

۲۳

ہابیل خدا ترس تھا قابیل جفا کار
تھا دشمنِ حق ظلم و ستم سے تھا اُسے پیار
بے سود تھا بھائی سے حسد پھر بھی ستم گار
تھا دام میں ابلیسِ لعیں کے وہ گرفتار
زخمی کیا پتھر سے برادر کی جبیں کو
اور خون سے ناحق کیا رنگین زمیں کو

۲۴

دنیا میں ازل سے کبھی ایسا نہ ہوا تھا
اس طرح کا مرنا کبھی دیکھا نہ سُنا تھا
یہ ظلم و ستم باپ کی قسمت میں لکھا تھا
بیٹے سے جدا ہوگا پدر قہرِ خدا تھا
غش ہو کے گرے خاک پہ صدمے میں پسر کے
سو ٹکڑے تھے بیٹے کی جدائی میں جگر کے

۲۵

کہتے تھے یہ قابیل سے کیوں او ستم آرا
ہابیل تیرا بھائی تھا پھر کس لئے مارا
بیٹے کو کروں صبر نہیں کوئی بھی چارہ
اللہ کی مرضی ہے کروں داغ گوارا

۲۶

جو صابر و شاکر ہیں وہ شکوہ نہیں کرتے
مرجائیں رہِ حق میں تو پروا نہیں کرتے

دنیا کو یہ قابیل نے پیغام دیا ہے
انسان پہ یہ ظلم ہے پہلا جو ہوا ہے
تاریخ نے یہ واقعہ تحریر کیا ہے
ہر شام و سحر جور نیا ظلم نیا ہے

۲۷

اس طرح کبھی اہلِ زمیں شاد نہ ہونگے
جو دشمنِ حق ہیں کبھی آباد نہ ہونگے

تاریخ میں ہر بانیٔ بیداد کو دیکھو
فرعون کو نمرود کو شداد کو دیکھو
ظلم و غضب و جور کی روداد کو دیکھو
ہاں دیکھو یزیدِ ستم ایجاد کو دیکھو
اس نے وہ جفائیں کیں ولی ابنِ ولی پر
سب ختم مصائب ہیں حسینؑ ابنِ علیؑ پر

۲۸

دیکھو تو یزیدِ ستم آرا کا یہ کردار
اللہ رے جسارت کہ تھا بیعت کا طلبگار
اس سے بھی جوانانِ جناں کا تھا جو سردار
اصرار اُدھر سے تھا اِدھر صاف تھا انکار
حاکم کے اگر اچھے کوئی طور نہیں تھے
یہ سبطِ پیمبرؑ تھے کوئی اور نہیں تھے

۲۹

تھا حکم جو بیعت نہ کریں قتل کیے جائیں
سر تابی و انکار سے موت اپنی نہ بلوائیں
۳۰
پیاری ہے اگر زیست اطاعت سے نہ کترائیں
رہنا ہے مدینہ میں، وفاداریاں دکھلائیں
حاکم کے ارادوں سے خبردار تھے شبیرؑ
حق کے لئے جاں دینے پہ تیار تھے شبیرؑ

ممکن نہ تھا حضرت رہیں پھر اپنے وطن میں
گُل کے لئے اب کوئی جگہ تھی نہ چمن میں
۳۱
بستی یہ بسائیں گے نئی اب کسی بن میں
ہوتی ہے تو ہو جائے جدائی سر و تن میں
تھی ذلتِ بیعت نہ گوارا شہ دیںؑ کو
چھوڑا بہ دلِ زار مدینے کی زمیں کو

مکے میں مدینے سے جو پہنچے شہؑ ابرار
دیکھے نہ وہاں پر بھی کوئی امن کے آثار
تھے حاجیوں کے بھیس میں پھیلے ہوئے اشرار
برگشتہ ہوئے وہ بھی جو تھے نام کے دیندار

۳۲

کوفے سے خط آئے تھے بلاوا تھا وہیں کا
موقفِ تھا نہ رکنے کا نہ موقع تھا نہیں کا

تھی پیشِ نظر حرمتِ کعبہ و مدینہ
چلتا رہا خشکی میں محمدؐ کا سفینہ
تھیں ساتھ میں کچھ بی بیاں مغموم و حزینہ
بچے بھی تھے کچھ ہمرہِ بابائے سکینہؑ

۳۳

صحرا میں بہار آئی تھی ویرانی تھی گھر میں
انصار و اعزّہ کی بھی شرکت تھی سفر میں

اس شان سے پہنچے جو مسافر سرِ منزل
بہ عزم تھا خیمے کریں برپا لبِ ساحل
تھی فوجِ یزیدی مگر اس راہ میں حائل
در پیش ہوئی پہلے پہل سخت یہ مشکل
عباسؑ جو کھینچے ہوئے شمشیر تھے برہم
اعدا کی جسارت پہ سبھی شیر تھے برہم

۳۴

شبیرؑ نے بپھرے ہوئے شیروں کو جو روکا
آگے نہ بڑھی بات نہ خیمے ہوئے برپا
عباسؑ کا تھا سُرخ مگر غیظ سے چہرہ
بلوا کے قریں بھائی کو سینے سے لگایا
فرمایا مناسب ابھی لڑنا نہیں بھائی
رہنا ہے تمھیں حشر کے دن تک یہیں بھائی

۳۵

دریا کی ترائی سے ہٹائے گئے خیمے
جلتی ہوئی ریتی پہ لگائے گئے خیمے
بوئے گل زہرؑا سے بسائے گئے خیمے
لیکن یہی اک روز جلائے گئے خیمے
عاشورِ محرم کو قیامت کا سماں تھا
مقتل میں لہو بہتا تھا خیموں میں دھواں تھا

۳۶

حملہ ہوا شبیرؑ پہ جب کرب و بلا میں
سب مونس و یاور ہوئے مصروف وغا میں
تا ظہر تلاطم سا رہا ارض و سما میں
آخر نہ رہا کوئی بھی باقی رفقا میں
تھا عصر کا ہنگام قریں آپ تھے تنہا
گھیرے ہوئے تھے دشمنِ دیں آپ تھے تنہا

۳۷

۳۸

لکھا ہے مدینہ میں تھا اک صاحبِ کردار
نام اس کا تھا کلبی وہ تھا خوش فہم و خوش اطوار
تھا آلِ پیمبرؑ کی محبت میں وہ سرشار
نصرانی تھا پر شیفتۂ احمدؐ مختار
حیدرؑ کی غلامی میں خدا اسکو ملا تھا
سر اس کا عقیدت سے اسی در پہ جھکا تھا

۳۹

مشہور ازل سے ہے اسی گھر کی شرافت
اس گھر پہ ہر اک طرح کی تھی ختم کرامت
معبود کو تھا ناز یہ تھی شانِ عبادت
پھیلی ہوئی تھی روشنیٔ شمعِ ہدایت
معمور تھا دل الفتِ حیدرؑ کی ضیا سے
کلبی کو ملا فیض درِ شیرِؑ خدا سے

اک روز کا ہے واقعہ تفسیر میں تحریر
تھی ایک جگہ پنجتنِ پاک کی تنویر
۴۰
نصرانیوں پہ چھا گئی انوار کی تاثیر
بے ساختہ کرنے لگے آپس میں یہ تقریر
دنیا کے بھی عقبیٰ کے بھی مختار یہی ہیں
عیسیٰؑ کے بھی مشکل میں مددگار یہی ہیں

کلبی نے یہ اک دن کہا اے سرورِ ذیجاہ
تو علم کا دروازہ ہے سب خلق ہے آگاہ
۴۱
ہم پر بھی عنایت کی نظر ہو کوئی یا شاہ
زوجہ کو بھی اور مجھ کو بھی اک فکر ہے جانکاہ
سب دل کی مرادیں ملیں خالق کی رضا سے
کچھ دور نہیں ہے یہ ترے جود و سخا سے

زوجہ سے یہ پھر بولا کہ جا فاطمہؑ کے گھر
چوکھٹ کو لگا آنکھوں سے سر رکھدے قدم پر
۴۲
تسلیم بجالا تو ادب سے وہیں جھک کر
اور دستِ طلب جوڑ کے کر عرض یہ رو کر
جبرئیلِ امیں رہتا ہے درباں اسی در کا
کرتی ہوں سوال آپ سے بس ایک پسر کا

فرزند عطا کر کہ ہو دنیا میں مرا نام
یہ بھی ہے تمنا مری اے صاحب اکرام
۴۳
راغب نہ ہو دنیا پہ وہ عقبیٰ سے ہو بس کام
سب دل سے بجالائے شریعت کے وہ احکام
مشکل میں وہ بندوں کی سدا سینہ سپر ہو
میں فخر کروں جس پہ وہ کچھ ایسا پسر ہو

صدقے میں نبیؐ کے ہمیں فرزند عطا ہو
محتاج پہ اب رحم و کرم عقدہ کشا ہو
۴۴
جب وقت پڑے حقِ غلامی تو ادا ہو
آنچ آئے اگر حق پہ تو وہ حق پہ فدا ہو
یوں زوجہ کو اور مجھ کو جو ممتاز کریں گے
سب اپنے محبوں میں سرافراز کریں گے

کلبی کی سُنی شہ نے جو پُر درد یہ تقریر
فرمایا کہ کیا بات ہے کیوں ہوتا ہے دلگیر
۴۵
دروازے سے ناگاہ جو داخل ہوئے شبیرؑ
کلبی نے یہ سمجھا کہ ملی خواب کی تعبیر
کہنے لگا مشکل مری حل کیجیے مولاؑ
جو حق پہ فدا ہو وہ پسر دیجیے مولاؑ

بابا تیرا مختار ہے سب جن و بشر کا
مختار ہے تو احمدؐ مختار کے گھر کا
تو مالک و آقا ہے قضا اور قدر کا
تو مجھ پر کرم کر میں گدا ہوں تیرے در کا

۴۶

تو چاہے تو بگڑی ہوئی تقدیر بنا دے
تو چاہے تو چیونٹی کو سلیماںؑ سے ملا دے

راوی یہ بیان کرتا ہے بر آئی تمنا
شبیرؑ کے صدقے میں ہوا گھر میں اجالا
کلبی کو خدا نے دیا اک چاند سا بیٹا
وہب اس کا رکھا نام بڑے پیار سے پالا

۴۷

کلبی نے مگر بیٹے کا سہرا نہیں دیکھا
موت آ گئی گھر بسنے کا نقشہ نہیں دیکھا

ماں زندہ تھی ارمان جو دل میں تھا نکالا
بن باپ کے فرزند کا بیاہ اس نے رچایا
تھا گرمِ سفر وہب مع مادر و زوجہ ۴۸
اک دشت میں طے منزلیں کرتا ہوا پہنچا
میدان میں دیکھا کہ بہت لاشے پڑے ہیں
گھیرے ہوئے اِک شخص کو کچھ لوگ کھڑے ہیں

داخل ہوا اُس دشتِ بلا خیز میں یکبار
لشکر میں ہوا شور خبردار خبردار
شبیرؑ کی نصرت کو کوئی آتا ہے ہشیار ۴۹
شہؑ نے کہا اعدا سے کہ اے قومِ ستمگار
کون آئے گا اس وقت طرفدار ہمارا
خالق کے سوا کون ہے غمخوار ہمارا

کی فوج کے اک شخص سے یوں وہب نے گفتار
بے جاں ہیں پڑے خاک پہ یہ کون خوش اطوار
وہ بولا مسافر ہے تو کیا تجھ کو سروکار
یہ فوجِ یزیدی ہے وہ ہے فوج کا سردار
اس فوج سے لڑ کر جو تباہی میں پڑا ہے
بے یار و مددگار وہ میداں میں کھڑا ہے

۵۰

شبیرؑ ہے نام اس کا یہ فرزندِ نبیؐ ہے
دلبند ہے اس شیر کا جو حق کا ولی ہے
ماں فاطمہؑ ہے بھائی حسنؑ باپ علیؑ ہے
حاکم کی جو بیعت نہ کی تلوار چلی ہے
حاکم جو ہمارا ہے طلبگار ہے سر کا
تو راہ لے اپنی جو ارادہ ہے سفر کا

۵۱

٥٢

تھا وہب کی مادر کو نہ اب ضبط کا یارا
زہرؑا کا پسر تھا اُسے بیٹے سے بھی پیارا
بیٹے سے وہ بولی کہ ہے کیا قصد تمھارا
بولا مجھے اماں نہیں اب زیست گوارا
جب سر کو کٹاؤں گا تو توقیر ملے گی
سیدؑ سے مجھے خُلد میں جاگیر ملے گی

٥٣

مادر کے قدم پر گرا پھر وہب خوش انجام
بولا کہ بجا لاؤنگا سب آپ کے احکام
آقا کی مدد کرنے کا ہے آج تو ہنگام
لکھے گا مورخ بھی شہیدوں میں میرا نام
پیچھے نہیں اب ہٹنے کا میں اہل وفا ہوں
مرضی ہو جو زوجہ کی تو آقا پہ فدا ہوں

۵۴

ماں نے کہا شاید تجھے جینے کی ہوئی چاہ
الفت تجھے زوجہ کی نہ کردے کہیں گمراہ
اس نے کہا خالق میری نیت سے ہے آگاہ
پہنچا میں کوئی دم میں حضورِ شہِ ذیجاہ
دو مجھ کو رضا جنگ کی اعدا سے لڑوں گا
شبیرؑ کے قدموں پہ میں سر صدقے کروں گا

۵۵

میں چھوٹا تھا جب باپ کا سر سے اُٹھا سایا
جو اسکی وصیت تھی خلل اس میں نہ آیا
کن مشکلوں سے بیاہ مرا تم نے رچایا
ہو گا وہی اے والدہ جو تم نے ہے چاہا
حق دودھ کا ہر طرح ادا آج کروں گا
گر جنگ نہ سر ہو گی تو لڑ بھڑ کے مروں گا

زوجہ نے سُنی جس گھڑی یہ وہب کی تقریر
سر پیٹ کے کہنے لگی ہے ہے میری تقدیر
مقتل میں کھڑے بیکس و ناچار ہیں شبیرؑ
گھیرے ہوئے ہر سمت سے تنہا کو ہیں بے پیر
اماّں ہیں رضا مند خدا ان کو جزا دے
تو مجھ کو بھی ساتھ اپنے ہی مرنے کی رضا دے

۵۶

اس حال میں حضرت کو نظر آیا یہ ناگاہ
رُخ آپ کی جانب کیے اک آتا ہے نوشاہ
پہنچا وہ مسافر جو قریب شہ ذیجاہ
فرمایا کہ تم کون ہو اے بندۂ اللہ
یہ بی بیاں ہیں کون جو ہیں ساتھ تمہارے
مہندی سے رچے خوب ہیں یہ ہاتھ تمہارے

۵۷

وہ بولا مری ماں ہے جو بی بی ہے ضعیفہ
عورت جو جواں سال ہے وہ ہے مری زوجہ
دن چند ہی گزرے ہیں مرے بیاہ کو شاہا
مدت سے مری ماں کو تھی شادی کی تمنّا

۵۸

تھی جتنی خوشی پہلے سوا اس سے الم ہے
مظلوم و غریب آپ ہیں اب ہم کو یہ غم ہے

پھر کہنے لگا وہب کہ اے فاطمہؑ کی جان
مجھکو نظر آتا ہے یہاں موت کا سامان
آمادہ ہیں جاں دینے کو خود آپ بھی اس آن
اماں کی تمنّا ہے کہ ہوں آپ پہ قربان

۵۹

جو ماں کی رضا ہے وہی زوجہ کی رضا ہے
حق آپ کا ماں باپ کے حق سے بھی سوا ہے

آقا مجھے اب آپ دیں مرنے کی اجازت
دیکھیں نہ کہیں ہو مجھے اماں سے ندامت
۶۰
قسمت میں میری تھا کہ ملے مجھکو شہادت
میرے لئے آقا یہ بڑی ہو گی سعادت
بابا کی طرح آپ کا غمخوار ہوں مولا
مرنے کے لئے آج میں تیار ہوں مولا

نوشہ کا سخن سنکے یہ کہنے لگے حضرت
تو مرنے پہ آمادہ ہے اللہ رے ہمت
۶۱
تنہا مجھے دیکھا ہے تو آیا ہے نصرت
محضر میں ازل سے ہے رقم تیری شہادت
تو شاملِ انصار ہے اس دشتِ بلا میں
لکھا ہے ترا نام شہیدانِ وفا میں

پھر خیمے کی جانب کو چلے سیدِ ابرار
ماں اور دلہن وہب کی تھیں ساتھ دل افگار
دروازے پہ خیمے کے تھی سب عزتِ اطہار
زینبؑ کے حوالے کیا ان دونوں کو یکبار
فرمایا کہ یہ بی بیاں ناچار ہیں زینبؑ
پرسے کے لئے آئی ہیں غمخوار ہیں زینبؑ

٦٢

زینبؑ نے کہا بھائی یہ مشکل کی گھڑی ہے
امداد کرے کون مصیبت یہ بڑی ہے
لے لوں گی میں پرسا کہ بہت عمر پڑی ہے
تنہائی ہے اور فوجِ ستم گرد کھڑی ہے
نوشاہ کو میدان میں لڑنے کی رضا دو
میں صدقے گئی اس کو بھی مرنے کی رضا دو

٦٣

٦٤

زینبؑ سے لگی کہنے وہ حضرت کی فدائی
ایسی کوئی خواہر ہے نہ ایسا کوئی بھائی
عبداللہ جعفر کی نشانی بھی مٹائی
صد حیف لٹی آپ کی یاں ساری کمائی
پوتے تھے وہ جعفر کے نواسے تھے علیؑ کے
میدان میں دکھلائے ہنر حق کے ولی کے

٦٥

حضرت پہ فدا ہو گئے پھر قاسمِ نوشاہ
پامال ہوئی لاشِ جگر بندِ حسن آہ
ہر صدمے سے بڑھ کر ہوا یہ صدمۂ جانکاہ
شادی تھی بھتیجے کی یہی اور یہی بیاہ
مٹتے ہوئے بھائی کی نشانی کو بھی دیکھا
افسوس نہ قاسمؑ کی جوانی کو بھی دیکھا

معصوم کی اعدا نے سُنا پیاس بجھائی

وہ حرملہ کا تیر دہائی ہے دہائی!

٦٦

اصغرؑ نے بھی میداں میں لڑی خوب لڑائی

شہؑ نے وہیں ننھی سی کھی اک قبر بنائی

تر خوں سے جو اصغرؑ کے کیا شہؑ نے جبیں کو

لرزہ سا ہوا اُس گھڑی مقتل کی زمیں کو

اک شور اُٹھا لُٹ گئی بانُو کی کمائی

اکبرؑ نے سناں سینے پہ میداں میں جو کھائی

٦٧

خونِ علی اکبرؑ نے اُدھر مہندی رچائی

ماں بولی اِدھر ہائے مجھے موت نہ آئی

ریتی پہ یہ سب رن میں دل افگار پڑے ہیں

دریا کی ترائی میں علمدارؑ پڑے ہیں

پھر رو کے وہ حضرت سے لگی کرنے یہ گفتار
تو وہب کا مالک ہے ہمارا بھی ہے مختار

۶۸

مل جائے رضا اسکو پئے ایزدِ غفار
حسرت نہیں اب زیست کی اسکی مجھے زنہار
کچھ روح سے کلبی کی خجالت نہ ہو مجھ کو
تقدیر سے بھی کوئی شکایت نہ ہو مجھ کو

پھر کہنے لگی وہب سے کیوں عرصہ لگایا
ابتک میرے آقا کے تو کیوں کام نہ آیا

۶۹

میں نے تجھے کیوں خوں میں نہایا نہیں پایا
رو رو کے ضعیفہ نے یہ حضرت کو سنایا
کلبی کی وصیت تھی کہ آقا پہ فدا ہو
میں شکر بجالاؤں جو سر اس کا جدا ہو

یہ سُن کے نہ حضرت کو رہا ضبط کا یارا
فرمایا کہ یہ داغ کروں کیسے گوارا

٧٠

مہماں ہے کوئی دم کا یہ فرزند تمہارا
قاسمؑ کا میں پھر صدمہ اٹھاتا ہوں دوبارا
سب حوصلے اب صبر کی میزاں میں تلیں گے
تم ڈھونڈو گی تو لاشں کے ٹکڑے نہ ملیں گے

اتنے میں اُدھر وہب گیا جانبِ مقتل
اُمڈا ہوا تھا چار طرف فوج کا بادل

٧١

اعدا پہ جو حملہ کیا بس پڑ گئی ہلچل
لشکر کو وہ دکھلانے لگا ہاتھوں کا کس بل
بھگدڑ تھی مچی فوج میں گھمسان پڑا تھا
رن خالی ہوا وہب اکیلا ہی کھڑا تھا

جب حملہ کیا وہب نے ابتر ہوا لشکر
مارا انھیں چن چن کے جو بنتے تھے دلاور
دیکھا جو بنِ سعد نے اس طرح کا منظر
کہنے لگا سرداروں سے خیمے سے نکل کر

۷۲

اک شخص کا سر تم سے اتارا نہیں جاتا
بچ بچ کے نکلتا ہے وہ مارا نہیں جاتا

اللہ رے وہ وہب کے ہاتھوں کی صفائی
تھی خوف سے لشکر میں دہائی پہ دہائی
ماں در پہ کھڑی دیکھ رہی تھی یہ لڑائی
حضرتؑ نے کہا خوب لڑا میرا فدائی

۷۳

ٹکڑے صفِ لشکر کے نظر آتے تھے رن میں
جی داروں کے بھی ہوش اڑے جاتے تھے رن میں

کہنے لگا یہ وہب جری فوج سے اس آن
پانی نہ دیا پیاسوں کو کیسے ہو مسلمان
اللہ کا کچھ خوف نہ مہماں کا تمہیں دھیان
نصرانی ہوں پر ہے مرا شبیرؑ پہ ایمان
انجیل کی قرآن کی عیسیٰؑ کی قسم ہے
تم سب کو میں ماروں گا جو دم میں مرے دم ہے

۷۴

پھر فوج قریں آگئی کرتی ہوئی یلغار
ہر سمت سے پڑنے لگے تنہا پہ کئی وار
نیزہ کبھی لگتا تھا کبھی لگتی تھی تلوار
ناگاہ گرا خاک پہ تھرا کے وہ جرار
کہتا تھا یہ حضرت سے مدد کیجئے مولاؑ
جنّت کی بشارت مجھے اب دیجئے مولاؑ

۷۵

گردن پہ ادھر دہب کے جب چل گیا خنجر
سر کاٹ کے پھینکا گیا تب خیمے کے در پر
۷۶
ماں نے اُسے بوسے دیئے آغوش میں لیکر
پھر پھینک دیا سر طرفِ فوج یہ کہہ کر
بیٹے کو فدا نام پہ مولاؑ کے کیا ہے
گھر میں رکھیں صدقہ یہ نہیں ہم پہ روا ہے

ناگاہ اُدھر شمرِ ستم گار نے دیکھا
بے ہوش ہے لاشے کے قریں دہب کی زوجہ
۷۷
غصہ میں قریب آیا وہ اور ظلم یہ ڈھایا
تلوار وہ ماری کہ قضا آ کر گئی دکھیا
زوجہ کا یہ ارمان بھی پورا ہوا آخر
الفت کا رفاقت کا یہ قصہ ہوا آخر

جس وقت مدینہ سے چلے تھے شہ ذیجاہ
حضرت کے ارادے سے ہر اک فرد تھا آگاہ
اس دشت میں یہ سوچ کے آئے تھے وہ ہمراہ
بے جرم و خطا قتل کریں گے انہیں گمراہ
معروف عبادت میں ہر اک پیر و جواں تھا
مقصد جو شہادت کا تھا وہ سب پہ عیاں تھا

۷۸

عاشور کو حضرت نے بڑا بار اٹھایا
اولاد کو میداں میں تڑپتا ہوا پایا
خون دے کے رفیقوں نے بھی مقتل کو سجایا
جو حقِ شہادت تھا اسے خوب نبھایا
جیسے رفقا سبطِ پیمبرؐ کو ملے تھے
ایسے تو نہ احمدؐ کو نہ حیدرؑ کو ملے تھے

۷۹

ہر چند نہ کچھ وہب کو مقصد کا پتہ تھا
رستہ میں ملا تھا نہ مدینہ سے چلا تھا
نصرت کیلئے شہؑ نے بھی اُس سے نہ کہا تھا
جاں دینے پہ پھر کس لئے اُس روز تُلا تھا
کیوں کود پڑا آگ میں وہ جور و جفا کی
زوجہ نے بھی اس کی اُسی عالم میں قضا کی

۸۰

ان دونوں شہیدوں کی شہادت کو تو دیکھو
اس طرح سنورتے ہوئے قسمت کو تو دیکھو
اولادِ پیمبرؐ سے مودت کو تو دیکھو
نصرانیوں کے حُسنِ عقیدت کو تو دیکھو
شبیرؑ کی اُلفت میں جو دولت تھی لُٹا دی
جاں چیز تھی کیا وہب نے نسل اپنی مٹا دی

۸۱

یہ واقعہ فطرت کے تقاضوں سے ہے ہٹ کر
حیرت ہے کہ ممتا سے یہ ممکن ہوا کیوں کر
بیٹے کا نظر آئے جو خنجر سے کٹا سر
دل سخت ہو کتنا ہی تڑپ اٹھے گی مادر
یاں نقشِ محبت کو مٹا دیتی ہے اک ماں
فطرت کے تقاضوں کو بھلا دیتی ہے اک ماں

۸۲

سیرت تھی وہ مادر کی یہ زوجہ کا ہے کردار
شوہر کا سہا داغ نہ مضطر ہوئی زنہار
مولاؑ کی محبت میں وہ اس درجہ تھی سرشار
اس روز گوارا تھا اُسے ظلم کا ہر وار
بیوہ پہ کیا رحم نہ افسوس کسی نے
اِک ضرب سے عورت کو کیا قتل شقی نے

۸۳

مولاؑ کی دُعا تھی کہ یہ منشائے مشیت
شوہر کی معیت میں ملی اس کو شہادت
میداں میں نہ تھی جنگ کی عورت کو اجازت
لیکن ملی اس کو بھی شہادت کی سعادت
بیوہ کا کوئی جذبۂ ایقان تو دیکھے
اس خادمۂ فاطمہؑ کی شان تو دیکھے

۸۴

کس طرح کئے وہب نے طے مرحلے سارے
تھا چند ہی لمحوں میں وہ کوثر کے کنارے
پل بھر میں گئے چھوٹ وہ ہستی کے سہارے
نوشاہ کو ہر حال میں تھے دل سے جو پیارے
اقدام مثالی تھے یہ اس مردِ جری کے
قربان کئے فرض پہ جذبات خوشی کے

۸۵

صد شکر کہ مولا پہ ہے ظاہر میرا باطن
شیدا میں خطاوار و گنہگار ہوں لیکن
جب بعدِ فنا روزِ جزا آئے گا اک دن
اُس وقت نہ مونس کوئی ہوگا نہ معاون

۸۶

یہ مرثیہ جو پہلے پہل میں نے کہا ہے
سامان فراہم پئے بخشش یہ کیا ہے

شہزادی شہربانو

رثائی ادب کا نیا باب

شمیم ترمذی

ہفت خوانِ شعر کے شناسا اور محیطِ سخن کے شناور اس امر کی شہادت دیں گے کہ مرثیے سے قبل اردو میں کوئی ایسی صنفِ سخن نہیں تھی جو اخلاق، تہذیب اور مذہبی تاریخ تینوں کو جامعیت اور اکملیت کے ساتھ اپنے دامن میں سمیٹے ہوا یہی وجہ ہے کہ ہر دور کے مرثیہ نگاروں نے اپنے فکر و فن کو ارادی سطح پر اخلاقِ حسنہ کی ترویج، اسلامی تہذیب کی اشاعت اور دینِ مُبین کے تاریخی خد و خال ابھارنے پر صرف کیا۔ جدید دَور کے سخن وروں میں سید احسن زیدی ایسا نام ہے۔ جس نے مرثیے کے ذریعے مذہبی اور روحانی خدمت حُسنِ توازن اور حُسنِ تناسب کے ساتھ انجام دی ہے اور اس فریضے کی تکمیل کے لئے ایسا اسلوب اختیار کیا ہے کہ مذہبِ حقّہ کی تقدیس بھی قائم رہے۔ اور عروسِ ادب کا سنگار بھی۔ تاریخ ملتِ بیضا کی صداقت بھی دائم رہے اور مصحفِ شعر کا نکھار بھی۔ نو تصنیف مرثیہ "شہزادی شہر بانو" شاعر کے دینی جذبے، ادبی شعور اور تخلیقی معیار کا مؤثر و مکمل اظہار ہے۔

مرثیہ دینی ادب کی روشن مثال ہے اور اسے روشنی دینی تاریخ سے ملتی ہے۔ سب جانتے ہیں کہ اُردو مرثیہ نگاری نے کربلا کی تاریخ سے کسبِ نور کیا۔ کرداروں کے حوالے سے دیکھیں تو یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ مرثیے نے صرف چند کرداروں کو ابھارا۔ اس کی وجہ شاید یہ رہی ہو کہ کربلا کے مؤرخوں نے بھی زیادہ تر چیدہ چیدہ کرداروں کو تاریخ کے کینوس پر پینٹ کیا۔ انہوں نے کربلا کے میدان میں موجود کرداروں

کو تو نظر میں رکھا لیکن اُن کرداروں کو روشنی میں نہ لائے جنہوں نے کربلا کے بن میں موجود نہ ہونے کے باوجود مقصدِ حسینی کی تکمیل میں اہم رول ادا کیا۔ یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ نواماموں کی ماں جناب شہر بانو بھی کربلا میں موجود نہ ہونے کے باوصف امام زین العابدین کی شکل میں کربلا کے منظر نامے کا حصہ ہیں۔

رثائی ادب کی پوری تاریخ میں کربلا میں موجود اور معروف شخصیات کا حال تسلسل اور تواتر سے آیا ہے اور باقی کردار تاریخ کی دھند میں کھوسے گئے ہیں۔ شیدا حسن زیدی نے بالارادہ کربلا کے نیم معروف یا کم معروف کرداروں کو اپنے مرثیوں کا مرکز بنانے کا بیڑہ اٹھایا ہے۔ وہب کلبی کے بعد شہزادی شہر بانو کو اپنے مرثیے کا موضوع بنانا اس بات کا ثبوت ہے کہ شیدا حسن کھوئے ہوؤں کی جستجو میں لگے ہوئے ہیں اور یقیناً ان کی یہ جستجو لا حاصل نہیں ہے۔ اگر موصوف نے ایسے کرداروں سے تعارف کا یہ سلسلہ جاری رکھا تو یہ رثائی ادب میں نئے باب کا اضافہ ہوگا اور ان کی یہ کوشش دورِ موجود کے مرثیہ نگاروں کے لئے شعری اجتہاد اور ادبی تحریک کا درجہ حاصل کرے گی۔ اس طرح مرثیے کا دامن بھی وسیع ہوگا۔ اور کربلا کی تاریخ کے نیم تاریک گوشے بھی منور ہو جائیں گے۔

مرثیہ "شہزادی شہر بانو" تاریخی اہمیت کا حامل فن پارہ ہے۔ اس میں تاریخی تقاضوں اور ادبی لطافت کو انتہائی چابک دستی سے یکجا کیا گیا ہے۔ فتح ایران، شہزادیٔ فارس کا قیدی بن کر آنا اور پھر دربارِ خاص میں عقد کے لئے سردارِ باغِ جناں امام حسینؑ کا انتخاب ایسے واقعات کو شاعر نے تحقیقی استناد اور عالمانہ احتیاط سے اس طرح پیش کیا ہے کہ تاریخی صداقت اور عقیدے کی حفاظت دونوں فرائض ادا ہوتے نظر آتے ہیں۔ اس مرثیے کے گہرے مطالعہ سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ شاعر نے موضوع کی عظمت کو اُسلوب کے شکوہ پر ترجیح دی ہے۔ انہیں قادر الکلامی

کے مظاہرے کا شوق نہیں، اسی لئے وہ اک پھول کے مضمون کو سو رنگ سے باندھنے
کی کوشش نہیں کرتے بلکہ مناسب رفتار سے شعری سفر پر رواں دواں نظر آتے ہیں
واقعات کو ان کے فطری بہاؤ سے الگ کر کے ساکت تصویریں نہیں بناتے بلکہ اعجازِ فن
سے واقعے کے اجزاء کو ہر دم متحرک رکھتے ہیں۔ اس طرح قاری کی نظر، دل اور
دماغ تینوں، تنوع، عقیدت اور دلچسپی کی فضا میں اپنا اپنا کام جاری رکھتے ہیں۔
یوں ایک طرف شاعر مرثیے کا حق ادا کرتا اور دوسری طرف قاری مطالعہ کے مقصد کو
حاصل کرتا دکھائی دیتا ہے۔

شید احسن زیدی نے توانا روایت کا دامن تھامتے ہوئے اپنے مرثیے کو مسدس
کی ہیئت میں تخلیق کیا ہے، مرثیے کی روایتی موضوعاتی ترتیب یعنی نعت، منقبت اور واقعۂ
کربلا کے بیان کو بھی قائم رکھا ہے اور پھر مرثیے کے تینوں عناصر مدح، تاریخ نویسی اور
سیرت نگاری کو بھی ادبی وقار اور تخلیقی شعور کے ساتھ نبھایا ہے۔ اس قدیم صالح روایت
کے امین ہونے کے ساتھ ساتھ شید احسن نے ایک نئی روایت کا آغاز بھی کیا ہے انہوں
نے نسبتاً کم معروف کرداروں کو مرثیے کا موضوع بنا کر کربل کتھا کے تاثر کو مکمل کرنے
کی کامیاب کوشش کی ہے، شاعر نے اس مرثیے میں فنی پختگی کے ساتھ واقعات کو موزوں
رفتار سے متحرک رکھا ہے۔ شہزادی شہر بانو اور جناب زین العابدین کی سیرت کو شعری
سانچے میں پوری دلآویزی سے ڈھالا ہے۔ دربار میں امام حسینؑ پر نظر انتخاب پڑنے
کے منظر کو پینٹ کرتے ہوتے اپنے اظہار کو شعری ابلاغ کی حسین ترین صورت
دی ہے اور دربار میں موجود افراد کے جذبات کی عکاسی، روحِ انسانی کے لطیف
احساسات کا راز داں بن کر کی ہے۔ اس طرح مرثیے کی ساری فضا میں تقدس اور
عقیدت کے رنگ بکھرے نظر آتے ہیں۔ شاعر نے روایت اور جدت کے امتزاج سے
ایسا مرثیہ تخلیق کیا ہے۔ جو موضوع کے اعتبار سے منفرد اور فنی اعتبار سے ممتاز ہے۔

ظاہر ہے، اِس انفرادیت اور امتیاز کا احساس اور یقین دِین سے عقیدت اور ادب سے شغف رکھنے والے قارئین کو مرثیے کے مطالعہ کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔

۱

زینتِ خانۂ زہراؑ ہیں جنابِ بانو
نورِ تنویرِ تولّا ہیں جنابِ بانو
محورِ رتبۂ اعلیٰ ہیں جنابِ بانو
نازشِ مریمؑ و حواؑ ہیں جنابِ بانو
عقدِ شبیرؑ سے جس دم وہ سرافراز ہوئیں
جانِ ایمان بنیں خلق میں ممتاز ہوئیں

۲

شرفِ زیست یہ ہے صاحبِ اسلام ہوئیں
نیک نامی کا صِلہ پایا خوش انجام ہوئیں
تحفۂ دیں جو ملا منکرِ اصنام ہوئیں
محوِ تبِ طاعتِ حق میں سحر و شام ہوئیں
اوجِ اقبال و مراتب میں سوا بہتر ہیں
نو اماموں کی زمانے میں یہی مادر ہیں

۳

بعد زہرا ہے اسی بی بی کا یہ فضل و شرف
بن گیا معنئ آیاتِ مبیں جس کا خلف
کہتے ہیں علمِ تفاسیر سے ارکانِ سلف
لے چلو ذہن کو اَلنّاس اماما کی طرف
روشنی نور کی تفہیم سے پیدا ہو جائے
رتبہ جو کچھ ہے اماموں کا ہویدا ہو جائے

۴

دونوں عالم سے فزوں تر ہے اماموں کا وقار
کون کر سکتا ہے کچھ اُن کے مراتب اظہار
پڑھ لیں وہ لوگ دلوں میں ہوں بھرے جن کے غبار
صحفِ سورۂ یٰسین کا کیا ہے اقرار
کُلُّ شئ کا اشارہ وہ بتاتا ہے کسے
نورِ قرآنِ مبین صاف دکھاتا ہے کسے

۵

کون ہو سکتا ہے ہستی میں امامِ عالم
غور کچھ کیجے ذرا آپ مقامِ عالم
ذات پر کس کی پہنچتا ہے سلامِ عالم
کون ہے محرمِ اسرار و پیامِ عالم

رُتبۂ دین ہے جو علم میں معلوم ہے وہ
حق بھی فرماتا ہے واللہ کہ معصوم ہے وہ

۶

کس کی تفسیر ہے وہ آیۂ تطہیر کے ساتھ
نطق ہے کس کا وہ قرآں کی تفسیر کے ساتھ
کون انوار ہیں معبود کی تنویر کے ساتھ
نام ہے کس کا رقم عرش کی تحریر کے ساتھ

زیبِ ایوانِ حرم سرِّ جلی کون ہوا
جو محمدؐ کا وصی ہے وہ علیؑ کون ہوا

۷

دہر کے دور میں حیدرؑ ہیں امام اوّل
فاطمہؑ کے ہیں پسر خلق میں سب سے افضل
ان سے پہنچا ہے کسے کہیئے امامت کا عمل
کون سی بی بی کا فرزند ہے جو ہے اکمل

بزمِ سرکارِ حسینؑ کا ولی کون ہے وہ
دوسرا خلق میں ہم نامِ علیؑ کون ہے وہ

۸

کیا نہیں بانوئے شبیرؑ کا کہیے وہ پسر
جس کی تعظیم کیا کرتے تھے سب جن و بشر
بخدا ایسا ہے وہ نخلِ امامت کا ثمر
جس سے پیدا ہوا ایماں کی ہدایت کا اثر

عرش و کرسی و فلک اس کے سوا کہتے ہیں
جس کو ہم اہلِ ولا زینِ عبا کہتے ہیں

۹

مایۂ فخرِ امامت ہے وہی نورِ خدا
جس سے قائم ہے ابد تک یہ امامت کی ضیاء
آمرِ دینِ مبین شاہدِ ربِ کعبہ
ذکر جب اُس کا ہو پھر کیوں نہ پڑھیں صلِّ علیٰ

صفِ آئمہ ہیں چوتھا جسے معصوم کہیں
اُس کو مظلوم اور ابنِ شہِ مظلوم کہیں

۱۰

کس کو معلوم نہیں اُس کے شرف کا مفہوم
زہد و تقویٰ و عبادت ہیں اسی کے مقسوم
گردنِ ظلم جھکی جس سے وہ ایسا مظلوم
ہو سکے ایسے نجیبوں کی ثنا کیا مرقوم

نُور اُسی کا تو ہے تنویرِ فراواں کے لئے
وجۂ عظمت ہے جو شہزادیٔ ایراں کے لئے

۱۱

کون لا سکتا ہے شہزادیِ ایراں کی مثال
شک کوئی ان کی نجابت میں کرے کیا ہے مجال
ان کے اجداد کو اللہ نے بخشا یہ کمال
عدل و انصاف کا شہرہ ہے جنوب اور شمال
حق نے بخشے تھے جنھیں صدق و صفا کے جوہر
مایۂ خلق تھے آئینِ وفا کے جوہر

۱۲

کس کو ہے کہئے شرافت میں بھلا آپ کی شک
حق نے بخشی جنہیں گلزارِ امامت کی لہک
پاک آغوش میں اُترا کیے انوارِ فلک
ضو فشاں عرش سے تا فرش رہی جس کی چمک
راہِ تمکینِ امامت کی طلب گار ہیں وہ
نازشِ دینِ محمدؐ کی بھی مختار ہیں وہ

۱۳

زوجۂ سبطِ نبیؐ کا تھا شرف کتنا سوا
دیکھیں سب چشمِ بصیرت سے اسے اہلِ ضیا
کوئی کہہ دے یہ اگر بات نہیں کچھ زیبا
انبیا کی نہیں ازواج کو یہ رتبہ ملا
باکمال ایسی کوئی ہستیٔ انور تو نہ تھی
نو اماموں کی کوئی ان میں سے مادر تو نہ تھی

۱۴

ہوئی آفاق میں جب جلوہ کناں نسلِ قریش
حاصلِ قدر کنانہ ہیں وہی اصلِ قریش
رشتہ داری میں نہیں بینِ جہاں فصلِ قریش
سب سے افضل ہیں محمدؐ ہی یہ ہے فضلِ قریش
نور سے جس کے منور یہ سبھی عالم ہے
وہی محبوبِ خدا فخرِ بنی آدم ہے

۱۵

حضرتِ ہاشمؑ و عبداللہؑ کہ ہوں عبدِ مناف
مطلب کے ہوں وہ یا غالب دیں کے اوصاف
سب کے سب ہیں یہ اُسی نورِ خدا کے اسلاف
حکمِ معبود سے ہو سکتا ہے کب کوئی خلاف
جس کے باعث سے بنے قبلہ نُما ابراہیم
مفتخر اس پہ ہی ہوتے تھے سدا ابراہیم

۱۶

پیدا مکہ میں ہوا نورِ خُداوندِ علیم
جس کے رُتبہ کو کیا دونوں جہاں نے تسلیم
نام ہے جس کا محمدؐ وہ شعورِ تقدیم
بن کے آیا شرفِ رحمتِ رحمان و رحیم
عرشِ معبود نے اس نام سے عظمت پائی
بخدا آپ سے کونین نے حشمت پائی

۱۷

پرورش پاتی تھی مکّہ میں وہ ذاتِ پرُنور
در و دیوار پہ تھا جس کی کرامت کا ظہور
صدق و اعجاز ہوئے اُن کے جو ہر جا مشہور
اُٹھا کُفّار کے دل میں یہ ضلالت کا فتور

حملہ دینداروں پہ ہر روز کیا اعدا نے
دکھ پہ دکھ آپ کو کتے ہیں دیا اعدا نے

۱۸

اس طرح سہتے رہے آپ جو اعدا کے ستم
دینِ اسلام پہ خالق نے کیا اور کرم
یعنی پیدا ہوا کعبہ میں وہ مولودِ حرم
ابنِ عم جو تھا محمدؐ کا خدائی کی قسم

جس نے پایا ہے لقب غالب ہر غالب کا
وہ علیؑ جو کہ ہے فرزند ابوطالب کا

۱۹

تقویت پائی جو سلام نے اُس ذات کے ساتھ
اور کچھ بڑھنے لگا دین کرامات کے ساتھ
عشق تھا اُن کو جو اُس قاضیِ حاجات کے ساتھ
عُقدۂ دین کھُلا حلّ مہمات کے ساتھ

پائی آفاق سے رحلت جو ابوطالب نے
کی محمدؐ کی مدد غالب ہر غالب نے

۲۰

جب پیمبرؐ نے نبوّت کا تھا اظہار کیا
اس حقیقت کا علیؑ نے ہی تب اقرار کیا
دین جس سے کہ سلامت رہا وہ کار کیا
زیرِ شمشیر سے ہر فرقۂ کفّار کیا

چھوڑ کر مکّہ مدینے جو پیمبرؐ آئے
یہ محمدؐ کی جگہ برسرِ بستر آئے

۲۱

پاسِ ناموسِ محمدؐ رہا حضرت کو مدام
چلی ہر معرکہ میں دستِ علیؑ سے صمصام
دوشِ احمدؐ پہ چڑھے کعبے کے توڑے اصنام
عمرو و مرحب کا کیا آپ ہی نے کام تمام
تھے مسائل جو کٹھن کر دیئے وہ حل سارے
دین کے دشمنوں کے نکلے جو تھے بل سارے

۲۲

کبھی خیبر کو کیا فتح تو صفین کبھی
آئینہ حق کا دکھایا تو رُخِ دین کبھی
گاہ رحمٰن کا سورہ پڑھا یٰسین کبھی
جا کے بے دینوں میں کی دین کی تلقین کبھی
ہر طرح مرضیٔ معبود دکھاتے ہی رہے
جو بھی تھے کام رسالت کے بناتے ہی رہے

۲۳

حُبّ ایمان میں صادق جو وہ پیارا اُترا
عرش سے خانۂ زہرأ میں ستارا اُترا
کہئیے کس بات کا کرتا وہ اشارہ اُترا
قوّتِ قلبِ پیمبر کا سہارا اُترا
عقد جب بنتِ نبیؐ سے ہوا دل شاد ہُوئے
مرتضٰی سرورِ کونینؐ کے داماد ہُوئے

۲۴

بخشے دو بیٹے جنھیں حق نے عجب عالی ہمم
آج تک بھرتے ہیں سب اہلِ یقیں جنکے ہی دم
بیٹیاں بھی ملیں دو نیک سیر حور شیم
گویا انوارِ پیمبر تھے یہ سب جانِ حرم
نام لیتے تھے ملک عزّت و توقیر کے ساتھ
بہنوں کا ذکر بھی ہے شبّر و شبّیر کے ساتھ

۲۵

ایک کا اسم حَسَنؑ دوسرے کا نام حُسینؑ
جن کی تمثال نہیں کون و مکاں کے مابین
جانِ زہرا بھی اور رُوحِ شہ بدر و حُنین
قلبِ کلثوم کی راحت دلِ زینب کے تھے چین
بہن بے مثل تو بے مثل ہر اک بھائی ہے
انہیں ذاتوں سے سدا دین کی زیبائی ہے

۲۶

ان کی توصیف کوئی کر سکے کس طرح بشر
جن کے گہوارے جھلاتے تھے ملائک آکر
اپنے بیٹے انہیں کہتے تھے اگرچہ پیغمبر
گویا مخصوص تھا اُن کے لئے لطفِ داور
کیوں نہ ہر فردِ بشر دونوں پہ ایمان لائے
حُلّے فردوس سے جن کے لئے رضواں لائے

۲۷

کیوں نہ کونین کرے اُن کی امامت کو قبول
عید کو اونٹ بنے جن کے لئے خود ہی رسول
ایک کے ناز اُٹھانے میں نبیؐ تھے مشغول
ایک کے واسطے سجدے کو دیا آپ نے طول
مرضی کچھ اس میں نواسے کی جو پائی شہ نے
حکمِ معبود سے گردن نہ اُٹھائی شہ نے

۲۸

جن کے اوصاف ہیں یہ اُن کے مصائب ہیں طویل
ایسی ملتی نہیں آفاق میں ڈھونڈے سے عدیل
دہر میں راحت و آرام کا عرصہ تھا قلیل
رنگ دکھلاتا رہا ان کو عجب چرخِ محیل
رنج وہ عالمِ احساس نے ساعت پائی
خلق سے سرورِ عالم نے جو رحلت پائی

۲۹

پیارے نانا سے محمدؐ کے جو دلبر چھوٹے
پھر تو دنیا میں مصائب پہ مصائب ٹوٹے
حقِ مخصوصِ علیؑ میں لگے وہ گُل بُوٹے
جو تھے ہمدرد وہی حق کے ولی سے رُوٹھے

کیا کہوں آلِ محمدؐ کو ستایا کیوں کر
قبر میں رُوحِ پیمبرؐ کو رُلایا کیوں کر

۳۰

خیر جو کچھ بھی ہوا ظرفِ علیؑ تھا عالی
قصرِ اسلام کی دیکھی نہ گئی بدحالی
دین و ایمان کی اِس طرح سے کی رکھوالی
مالِ دُنیا سے رکھی اپنی ہی دُنیا خالی

اہلِ دنیا کبھی مشکل میں جو گھِر جاتے تھے
کھِنچ کے خود خدمتِ حیدرؑ میں چلے آتے تھے

۳۱

سُنیئے تاریخ میں فارس کی مہم کا انجام
چڑھ کے جس وقت عجم پر گئی فوجِ اسلام
حملے جتنے بھی کئے ہو گئے سارے ناکام
کام آیا نہ لڑائی میں حکومت کا نظام
مجتمع ہو گئے عجم بر سرِ پیکار آئے
کٹ گئی فوجِ عرب بھاگ کے سردار آئے

۳۲

بگڑا جب حد سے سوا زورِ حکومت کا نظام
پھر کیا نفسِ پیمبرؐ کو خلیفہؓ نے سلام
مشورہ آپ سے کرتا ہے نبیؐ کا یہ غلام
ڈنکا اسلام کا فارس میں بجے شاہِ انام
عرض کی شیرِ خدا کام میرے آئیے آپ
کچھ تو اس جنگِ عجم کے لئے فرمائیے آپ

۳۳

مددِ شیرِ خُدا سے ہوا فارس تسخیر
مال و زر ساتھ جو تھا چھوڑ کے بھاگے وہ شریر
پھیر میں پڑ گئی آلام کے اُن کی تقدیر
ملک بھی ہاتھ سے جاتا رہا اور مالِ کثیر
کچھ عجب شان سے اُس وقت مسلمان لڑے
فوجِ کفّار سے کیا صاحبِ ایمان لڑے

۳۴

ہوگیا خاتمہ جب شاہِ عجم کا اِس طور
حال اب آگے سُنیں ہم سے ذرا آپ بغور
لُوٹ پر ٹوٹ پڑے سارے مُسلمان فی الفور
ماسوا اس کے نہ دیکھا جو قرینہ کوئی اور
لُوٹ کر ملکِ عجم جب دمِ فرصت پایا
اہلِ لشکر نے بہت مالِ غنیمت پایا

۳۵

ساتھ اموال کے شہزادیاں دو تھیں ہمراہ
اور اک ان میں تھے دونوں کے برادر ذی جاہ
چھوڑ کر ملکِ عجم پلٹی عرب کی جو سپاہ
پھر حکومت کو کیا حالِ مہم سے آگاہ
نذرِ دل ریش نہ کچھ بخشش درویش کیے
لائے تھے جتنے غنائم وہ سبھی پیش کیے

۳۶

پایا دربارِ خلافت نے جو وہ مال تمام
پوچھے شہزادیوں کے لوگوں سے تب آپ نے نام
پہلے بھائی نے کیا بڑھ کے خلیفہؓ کو سلام
اور کہنے لگا حضرت سے اسیرِ آلام
شہر بانو کہ ہے شہزادئ معصوم ہے یہ
مہر بانو ہے کہ حالات سے مغموم ہے یہ

۳۷

چند باتوں کا تھا اُس وقت خلیفہؓ کو خیال
پورے کس طرح بھلا کرتے وہ لوگوں کے سوال
سوچتے تھے کبھی اس امر کا اُس دم وہ مآل
یعنی پہنچے نہ کسی روح کو حضرت سے ملال
مشورے آپ نے حیدر سے کیے تھے لیکن
دل میں اِس بات کا بھی خوف لئے تھے لیکن

۳۸

خوف یہ تھا انہیں بیچوں تو یہ ہے خواہشِ زر
مجھ کو بدنام زمانے میں کریں گے اکثر
لائے شہزادی کو گر عقد میں خود میرا پسر
حرف آئے گا دیانت پہ مری سرتا سر
چرچا رُسوائی کا پھر شام و سحر ہوئیگا
میرا یہ فعل سدا نام میرا کھوئے گا

۳۹

انہی باتوں پہ گیا دھیان تو کی یہ تدبیر
آئیں اِس بزم میں اب شہر کے ذی قدر و امیر
گفتگو آکے کریں خود ہی وہ سب با توقیر
عقد شہزادی کا ہو جائے زمانے میں نظیر
کوئی ذی رُتبہ کرے یا کوئی ناچیز کرے
اپنا شوہر وہ کوئی آپ ہی تجویز کرے

۴۰

سوچ کر آپ نے مقصد کو کیا اپنے تمام
اِک منادی سے دیا سارے عرب کو پیغام
اُن کے منصوبے سے آگاہ ہوئے جب خود کام
اپنے بیٹوں کو بڑھے لے کے خواص اور عوام
ابن بی بکر و بنِ عوف و حذیفہؓ آئے
اپنے فرزند کو خود لے کے خلیفہؓ آئے

۴۱

اور جتنے بھی تھے اُس وقت رئیسانِ حجاز
اپنے فرزندوں کو لے آئے سمجھ کر ممتاز
مالِ دنیا ہی فقط اُن کی طلب کا تھا جواز
یہ بھی دیکھا گیا آئے ہیں شہِ سرافراز
رُعب سے فاتحِ خیبر کے جو حُضّار اُٹھے
پئے تسلیمِ علیؑ بر سرِ دربار اُٹھے

۴۲

ایک پہلو میں حسنؑ دوسرے پہلو میں حسینؑ
پہنچے دربار میں اِس طرح شہِ بدر و حنین
جم گئی بزمِ عقیدت جو انھیں کے مابین
پھر تو پورا کیا خود اُٹھ کے خلیفہؓ نے وہ دَین
جس کی خاطر سے سب اربابِ طلب آئے تھے
تھیلیاں نقد و جواہر کی وہ بھر لائے تھے

۴۳

بیٹھے فرزندوں کو لے کے جو اصحابِ نبیؐ
منتظر سب تھے کہ کیا کرتے ہیں اب دیکھیں علیؑ
شاہزادی سے یہ مولا نے پھر اک بات کہی
زندگی کا جسے تم چاہو بنا لو ساتھی
التفات اپنا سرِ بزم جو دکھلاؤ گی
بس وہی ہوگا تمہارا جسے تم چاہو گی

۴۴

سن کے یہ بات جو شہزادی بڑھی سوئے در
دیکھا اس مجمعِ حضار کو تب ایک نظر
دو قدم آگے چلی اور جو بے خوف و خطر
یک بیک آیا نظر نخلِ تمنّا کا ثمر
زیبِ پہلوئے علیؑ تھا وہ حسینی جلوہ
دلِ بے تاب کو بھایا وہی عینی جلوہ

۴۵

خواب میں دیکھ چکی تھی جسے اِک بار کبھی
سامنے پھر نگہِ شوق کے جلوہ تھا وُہی
ایک مدّت کے خیالوں میں جو صورت تھی بسی
چار آنکھیں ہوئیں فوراً اُسے پہچان گئی
رُک گئی آ کے ولی ابن ولی کے نزدیک
پہونچی اس طرح حُسینؑ ابن علیؑ کے نزدیک

۴۶

تھی جو شہزادئ ایران نجیب الطرفین
بزم امکاں میں ملا شوہرِ بے مثل حسین
کون ہو سکتا ہے ایسا بھی جہاں کے مابین
ہو پدر جس کا علیؑ، جد ہو رسول الثقلین
ابن زہراؑ سے وہ کیا بانوئے ذی جاہ ملی
جاگ اُٹھا بخت بڑی نعمتِ اللہ ملی

۴۷

خانۂ حیدرِ صفدر میں جو آئیں بانو
بڑھیں خود زینب و کلثوم پذیرائی کو
زیبِ مسند ہوئے نوشاہ حسینؑ خوش خو
عقد مولائے جہاں نے پڑھا پھیلی خوش بو

شادماں یوں تو بہت زینب و کلثوم ہوئیں
ماں کی یاد آگئی ایسے میں تو مغموم ہوئیں

۴۸

کتنا اڑتیسواں ہجرت کا مبارک تھا وہ سال
بخشا شہزادی کو خالق نے پسرِ نیک خصال
آنکھوں سے دیکھ لیا ماں نے پسر کا وہ جمال
صحنِ عالم میں جو تھا آپ ہی خود اپنی مثال

یوں تو ہونے کو بہت خلق میں عُبّاد ہوئے
آپ ہی زینِ عبا آپ ہی سجّاد ہوئے

۴۹

کوئی انساں کرے کیا اُن کے فضائل کا بیاں
جن کے اوصاف میں عاجز ہو فرشتوں کی زباں
جانِ زہرا و پیمبر تھے شہنشاہِ زماں
جہد سے جن کی ملی دین کو ایماں کو اماں
نسلِ مولا سے امامِ دوجہاں قائم ہے
آپ کی وجہ سے قرآں کا نشان قائم ہے

۵۰

کس کو معلوم نہیں آپ نے کیا رنج سہے
دل سے وابستہ سدا مرضیِ خالق سے رہے
ان کے احوالِ جگر سوز کوئی کیسے کہے
چشم سے جن کی ہر اک شام و سحر اشک بہے
دل میں تھا جن سے اُجالا وہ ستارے چھوٹے
روزِ عاشور وہ سب آپ کے پیارے چھوٹے

۵۱

جد کا ماتم کیا عمو کا سہا دل پہ الم
ٹوٹتا ہی رہا افلاک سے پھر آپ پہ غم
کم قیامت سے نہ تھا داغِ پدر کا ماتم
حد نہ تھی جس کی سہے کرب و بلا میں وہ ستم
کوئی تسکین دۂ حالتِ ناچار نہ تھا
تپ میں بھی چارہ گرِ عابدِ بیمار نہ تھا

۵۲

بدلا جب رنگ جہاں اپنے وطن سے چھوٹے
پھول زہرا کے مدینہ کے چمن سے چھوٹے
ہائے وہ وقت کہ بیمار بہن سے چھوٹے
گھر چھٹا گیا کہ نہ ایذا دہِ محن سے چھوٹے
تھا جہاں ختم سفر دشت نظر آیا تھا
نخل تک کا بھی میسّر نہ وہاں سایا تھا

۵۳

آہ اُس سال کا تھا ماہِ محرّم کیسا
جس میں بیمار نے پائی نہ دوا اور نہ غذا
ساتویں سے تو ہوا اور ہی کچھ ظلم نیا
بند سادات پہ افسوس کے پانی بھی ہوا
ننھے اطفال دمِ تشنہ دہانی تڑپے
کیسے جنگل میں یدُاللہ کے جانی تڑپے

۵۴

جب نمودار ہوئی دسویں محرم کی سحر
اہلِ عالم نے سُنی بانگِ اذانِ اکبر
آئے سجادۂ طاعت پہ شہ جن و بشر
پیچھے صف بستہ تھے مولا کے رفیق و یاور
طاعتِ حق پہ تھا مامور قیامِ عالی
پیچھے ماموم تھے اور آگے امامِ عالی

۵۵

تھی فریضے کے ادا کی یہ سحر قابل دید
دن چڑھے برسرِ پیکار ہوئی فوجِ یزید
ہو گئے کتنے ہی معصوم کے انصار شہید
اور پھر ہوتی رہی عصر تلک جنگ شدید
اپنی دولت رہِ خالق میں لُٹاتے تھے حُسین
لاش پر لاش ہی میداں سے اُٹھاتے تھے حُسین

۵۶

ساتھ جو آئے تھے یثرب سے وہ صفدر نہ رہے
دل کے ٹکڑے نہ رہے بازوئے سرور نہ رہے
مثل جن کا نہ تھا کوئی وہ غضنفر نہ رہے
قوتِ قلب تھے جو شہ کے وہ یاور نہ رہے
باقی تھے عابد بیمار فقط یا شبیر
عصر کے وقت تھے میدان میں تنہا شبیر

۵۷

ہوئے مجروح گرے دامنِ زیں سے شبّیر
اور بے چین ہوئے تپتی زمین سے شبّیر
پونچھ کر آہ لہو اپنی جبیں سے شبّیر
طرفِ قبلہ پھرے ذوقِ یقیں سے شبّیر

سر بسجدہ ہوئے اور حمدِ خُدا کرنے لگے
حقِ طاعت دمِ آخر بھی ادا کرنے لگے

۵۸

ابھی سجدے ہی میں مصروف تھے شاہِ شہدا
کہ ادھر شمر لئے ہاتھ میں خنجر کو بڑھا
کیا بیاں ہو کہ ستم گار نے کی کیسی جفا
سینۂ دلبرِ زہراؑ پہ قدم اُس نے دھرا

اک ذرا پاس نہ سلطانِ حجازی کا کیا
سر جدا سجدے میں ظالم نے نمازی کا کیا

۵۹

دن ڈھلا شام ہوئی رن میں اندھیرا چھایا
مونسِ آلِ پیمبر نہ کسی کو پایا
یاد نے وارثوں کی اُن کو بہت تڑپایا
آب و دانہ تو کجا تھا نہ سروں پر سایہ
کچھ بھی ساماں نہ تھا اُس عالمِ غربت کے لئے
سوختہ چند قنائیں تھیں حفاظت کے لئے

۶۰

گیارہویں شب کی کہوں آہ کہانی کیونکر
پھٹتا ہے جن کے تصور ہی سے انساں کا جگر
ہُو کا عالم تھا وہ تنہائی وہ صحرا کا خطر
بے کفن لاشے شہیدوں کے اُدھر ریتی پر
شہر بانو کے لیسر کا عجب انداز رہا
نالۂ دل ہی بُرے وقت میں دمساز رہا

۶۱

صبح ہوتے ہی بٹھائے گئے اونٹوں پہ اسیر
ساربان عابد بیمار تھے اف رے تقدیر
ہاتھ میں تھامی رسن پیروں میں پہنی زنجیر
نالہ کرتا ہوا مقتل سے چلا وہ دلگیر
ستم ایسے بھی کسی نے نہ کہیں پر دیکھے
لاشے بے گور و کفن آہ زمین پر دیکھے

۶۲

شام و کوفہ کی طرف جاتا ہے پیدل بیمار
اب بھگتنا ہے جسے ظلم و شقی کا دربار
کوئی ساعت بھی اگر پاتا یہ مظلوم قرار
تربتیں آپ شہیدوں کی بناتا نادار
سر کھلے اہل حرم جاتے ہیں بیمار کے ساتھ
وارثوں کا بھی ہے غم قید کے آزار کے ساتھ

۶۳

اس طرح کاٹتے راہوں کی صعوبت وہ غریب
پہنچے اک عرصہ میں آخر درِ کوفہ کے قریب
باب ساعات جسے سب کہتے ہیں چاؤش نقیب
دیکھ کر جس کو اسیروں نے کہا وائے نصیب
شان جس شہر نے شہزادی کی دکھلائی تھی
سر کھلے بنتِ علیؑ آج وہاں آئی تھی

۶۴

اِسی تشویش میں تھے یاں ابھی قیدی جو تمام
دیکھا ناگاہ سرِ ایلچیِ شاہِ انام
در میں آویزاں ہے وہ گرد ہے انبوہِ عوام
سرِ عمو کو کیا عابدِ مضطر نے سلام
سُن کے عابد کی صدا کوفے کا دَر کانپ گیا
سرِ بے جسم بھی مانندِ جگر کانپ گیا

٦٥

حال کچھ اپنا نہ گو عابدِ بےکس نے کہا
خود ہی مسلمؑ کے لبوں میں ہوئی جنبش پیدا
یہی پُر درد صدا ہونٹوں سے نکلی گویا
نہ رُلا رُوح کو میری پسِ مُردن بیٹا
تو جو وابستۂ زنجیر و رسن ہے سجادؑ
لاش میری بھی تو محرومِ کفن ہے سجادؑ

٦٦

سرِ مُسلم نے کیا جب کہ یہ عابد سے خطاب
ہوگیا سُن کے دلِ عابدِ مضطر بیتاب
رو کے بولے کہ سُنیں آپ بھی کچھ مجھ سے جنابؑ
کیا ہیں اس قیدیٔ رنجور کے احوال خراب
سر ہیں کچھ نیزوں پہ ہمراہ جنھیں لایا ہوں
باپ کو چھوڑ کے بے گور و کفن آیا ہوں

٦٧

چشمِ مُسلم سے بہے اشک جو یہ حال سُنا
سرِ شبّیر سے تب آئی ندا یہ گویا
بھائی معراجِ شہادت ہے یہ پھر غم کیسا
تم ہو آویزاں جو در پر تو میں نیزہ پہ چڑھا
رفعتیں اپنی نمایاں ہیں جہاں پر بھائی
دیکھئے ہو گئے ہم دونوں برابر بھائی

٦٨

دل شکن زینب و کلثوم کا لیکن ہے حال
ان غریبوں نے کہاں دیکھی تھی یہ شکلِ ملال
آیا ناموسِ محمدؐ کا کسی کو نہ خیال
ڈر یہی ہے کہیں آجائے نہ عابد کو جلال
اپنی آنکھوں سے جو اعدا کے ستم دیکھتا ہے
ذلّت و خواریٔ اشرافِ حرم دیکھتا ہے

۶۹

جانگزا تھے سرِ شبیر کے اِس درجہ سخن
فرطِ گریہ سے تڑپتی تھی جنھیں سُن کے بہن
حال مظلومی و غربت کا ہے ان کی روشن
مجلسِ غم کہیں برپا ہے کہیں بزمِ محن
دستِ ماتم سے گریبانِ الم پھٹتے ہیں
ٹکڑے دل ہوتے ہیں واللہ جگر پھٹتے ہیں

۷۰

یہ وہ غم ہے کہ نہیں جس کی کوئی حد سیدا
اب قلم روک کے کر بارگہِ حق میں دُعا
میرا مقبول ہو یہ مرثیہ پیشِ زہراؑ
بخشے شہزادیٔ ایراں میری محنت کا صلہ
دادِ اُلفت کی سبھی صاحبِ ایماں پائیں
بہرِ سجادِ حزیں درد کا درماں پائیں

ذبحِ عظیم

مرثیہ ذبحِ عظیم ۔ ایک جائزہ

عاصی کرنالی

چھیاسی بند پر مشتمل مرثیہ ذبحِ عظیم سید شبیداحسن زیدی کی نئی تخلیقی کاوش ہے جس کا جائزہ میرے پیشِ نظر ہے۔

زیدی صاحب کچھ عرصے سے نہایت تیز قلمی کے ساتھ لالہ زارِ مرثیہ گوئی ہیں تازہ بہ تازہ چمن ایجاد کر رہے ہیں، اور ایسے لالہ و گل کھلا رہے ہیں جن سے اہلِ ذوق کا وجدان مہک رہا ہے۔ اب اس میدان میں ان کے پے در پے مظاہرِ کمال ہمارے لئے سامانِ حیرت ہیں اور ہم آئینہ وار ان کو تجلیاتِ قلمی کو دیکھ رہے ہیں اور ان کے عکوس و نقوش کو اپنے دلوں میں اتار رہے ہیں۔ یہ طے ہے کہ آج کا زمانہ (عصرِ جدید) عہد گذشتہ سے بوجوہ مختلف ہے۔ اب لوگوں کے یہاں سائنٹفک اپروچ کا میلان زیادہ ہے اور تعقل و تفکر کے دائرے میں اشیاء و واقعات کو دیکھنے اور پرکھنے کا رجحان بڑھ گیا ہے چنانچہ جذباتی اسلوب قدرے پس منظر میں جاتا ہوا محسوس ہو رہا ہے۔ اس صورتِ حال نے جدید عہد کے مرثیہ نگاروں کو اظہار و بیان کی نئی جہتوں کی جانب متوجہ کیا ہے۔ اور وہ رثائیت اور بین و بکا کی حرمتوں کو عزیز رکھنے کے ساتھ ساتھ زیادہ تر ایسے اسلوب میں بات کہتے ہیں جو جذباتی اپیل سے زیادہ دعوتِ تفکر کا سامان پیدا کرتا ہے۔ اس روش کے سبب مرثیہ تمام مکاتبِ فکر کے لئے قابلِ قبول ہو چلا ہے اور وہ اس میں چھپے ہوئے حقائق اور

مخفی صداقتوں کا ادراک کر کے اُسے تسلیم کرنے کی جانب مائل نظر آتے ہیں
ان جدید مرثیہ نگاروں میں جن کی بصیرت نے آئینۂ عصر کی تحریر کو پڑھا اور اپنے لہجے میں تبدیلی لائے، سید شہید احسن زیدی ایک اعتبار سے سب سے مختلف ہیں کہ انہوں نے ایک نیا قدم اٹھایا اور ان موضوعات پر مرثیے کہنے کا آغاز کیا جن میں دور دور تک رثائیت نظر نہیں آتی اور جو بظاہر جذبے کی شاعری سے یکسر الگ تھلگ نظر آتے ہیں۔ مثلاً ذبحِ عظیم، مثلاً علی علّام (یہاں علّام سے ظاہر ہوتا ہے کہ جناب علی علیہ السّلام کی ذاتِ گرامی کے ان محاسن کا ذکر مقصود ہے جو علوم و معارف کی تعریف میں آتے ہیں) یا مثلاً احسن تقویم جس کے بارے میں اندازہ ہے کہ یہ آسمانوں سے شروع ہوگا اور تخلیقِ آدم، حکمِ سجدہ، انکارِ ابلیس، راندگی، جنت، متعلقہ واقعاتِ بہشت اخراج از جنّت، اس کے بعد ارضِ انسانی پر معرکہ ہائے آدم و ابلیس اور رزم ہائے حق و باطل کے بے شمار مرحلے طے کر کے بہت آخر میں رثائی ماحول تک پہنچے گا۔ چنانچہ اسی ذبحِ عظیم میں ہم دیکھتے ہیں کہ ۸۶ بند ہیں جن میں ۶۴ بند حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کے گرد گھومتے ہیں جن میں ان کے معروف واقعات و احوالِ حیات قلم بند ہیں سب سے نمایاں طور پر تعمیر کعبہ کا ذکر ہے پھر دعائے خلیل کی قبولیت کے طور پر ان کی نسلِ مبارکہ سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا ظہور قدسی ہوتا ہے۔ چند بند میں آنحضرتؐ کے ان واقعات کا ذکر ہے جو انہیں تبلیغ اسلام کی راہ میں پیش آئے۔
ذبحِ عظیم کے آخری حصے میں ۲۲ بند ہیں جو کربلا سے متعلق کر دیئے گئے ہیں۔ وہاں بھی اسلوب کی یہ کیفیت ہے کہ رثائیت نہایت اعتدال و توازن کے ساتھ پیدا ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے تجزیہ کیا جائے تو یہ مرثیہ یا اسی قبیل کے کہے ہوئے مرثیے مجلسی قدر و قیمت زیادہ نہیں رکھتے لیکن ہم ان مجالس میں شریک ہوئے ہیں جہاں ذبحِ عظیم اور علیؑ علّام پیش ہوئے حاضرینِ مجلس پر بھرپور تاثر قائم ہوا۔ انہوں نے

مصرع مصرع پر بے ساختہ داد و تحسین کی۔ اُن پر گریہ بھی طاری ہوا اور مجلس میں وہ تمام مجلسی فضا پیدا ہوئی جو ہماری روایت کا حصہ ہے۔

بس مجھے اس جائزے میں اسی بھید سے پردہ اٹھانا ہے اور زیدی صاحب کی اسی تدبیر کاری کو منکشف کرنا ہے۔

مرثیے کے چونسٹھ بند کی طویل تر فضا میں کربلا کا ذکر تک نہیں ہے لیکن غور کیا جائے تو مرثیے کے پہلے بند ہی میں کربلا موجود ہے اور ۶۴، کے ۶۴ بندوں میں کربلا اس طرح چھلکتی ہے جیسے برسات کے موسم میں دریا چھلک اٹھتے ہیں اور جیسے بہار کے موسم میں جوشِ نمو سے پردۂ خاک سے اکھوا پھوٹتا ہے اور کلیاں چٹکتی ہیں۔ پہلا بند لکھتا ہوں۔

اک اولوالعزم پیمبر تھے خلیلِ داور
عاشقِ خالقِ اکبر تھے خلیلِ داور
ابتلا میں بھی نہ مضطر تھے خلیلِ داور
تابعِ مرضیٔ داور تھے خلیلِ داور
ظلمِ نمرود گوارا کیا خورسندی سے
آگ سے بچ بھی گئے فضلِ خداوندی سے

یہاں خلیلِ داور کے ان اوصاف کو اجاگر کیا ہے۔ اولوالعزمی، عشق، مضطر نہ ہونا اور رضائے الٰہی کا اتباع پھر حضرت ابراہیم کو ان کے اسم ذاتی کے بجائے ان کے لقب سے پکار کر ان کے اسمِ توصیفی کو استعمال کیا ہے۔ خلیل۔ خدا کا دوست، جو دوستی کا فریضہ، عشق سے عزیمت سے، عدم اضطراب یعنی وقار سے اور تسلیم و رضا سے ادا کرتا ہے۔ یہ فریضہ کب ادا کرتا ہے؟ ظلمِ نمرود کے مقابل —— ظلم سے کیسی فضا پیدا ہو جاتی ہے؟ ابتلا کی فضا —— قارئین اب ان الفاظ و اشارات کی مدد سے تقابلی

مطالعہ کیجئے۔ پوری کربلا آپ کی چشمِ تصور کے سامنے برپا ہو جاتی ہے۔

حسین علیہ السلام، ان کا جذبۂ عشق، ان کی ہمت و عزیمت، ان کا وقار و استقلال و ثبات اُن کی بے مثال صفتِ تسلیم و رضا۔ اور اس خلیلِ کربلا کے مقابل ایک نمرودِ وقت ہے، یزید اور اس کی برپا کی ہوئی ابتلا ہے یعنی کربلا!

یہ فضا یہ تقابلی مطالعہ، یہ واقعاتِ ابراہیم کے جز و جز و سے ابھرنے والی کربلا ۶۴، کے ۶۴ بند میں آپ کی جانب توجہ ہے۔ آپ کو برابر نظر آتا ہے اپنی بھرپور تجسیم کیساتھ زیدی صاحب آگے چل کر فرماتے ہیں حضرت ابراہیم بت شکن تھے۔ شرک و الحاد کی بیخ کنی کرتے تھے شکر کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے۔ پھر ان کے دل میں ایک ننھی سی کربلا جاگتی ہے۔ ایک چھوٹا سا دُکھ آنکھ کھولتا ہے ننھے سے بیج کی طرح، جو آہستہ آہستہ اُگتا ہے اور شاخ و برگ نکال لیتا ہے۔ ع

زخمِ نو مہدیٔ اولاد بنا قلب کا داغ

اسے فوراً ہی شاعر نے کربِ حسرت سے تعبیر کیا ہے۔ اس عالمِ اضطراب میں دردمندانہ دعائیں، بارگاہِ الٰہی میں بیٹے کے لئے استدعا، آخر یہ دکھ، سکھ میں بدلا میوۂ بستانِ خلیل پیدا ہوا۔ کیونکہ جادۂ تسلیم و رضا پر چلتے تھے اس لئے حکمِ الٰہی کے مطابق نومولود کا نام اسماعیل رکھا۔ یہ اسماعیل کون ہیں ان کا رتبہ کیا ہے؟

اصل میں دینِ خدا کی تھے بقا اسماعیل
رکھتے تھے نورِ امامت کی ضیاء اسماعیل

پھر حسدِ ازواجِ ابراہیمؑ میں رقابتیں جلا پا، اور خدا کی طرف سے ہجرت کا حکم۔ ع زن و فرزند کو پہنچا دو کہیں اور خلیل۔

قارئینِ محترم! تقابلی مشاہدہ فرماتے رہیئے۔ نبی کا مختصر سا قافلہ، ابراہیم، اُن کی بی بی، ان کا کمسن بچہ۔ دشت و صحرا کا سفر، بیابانِ وحشت کے اندیشے تنہائی۔

بے سروسامانی، ناشناسائی۔ پھر ارضِ مکہ کے بیابان میں قرار کا حکم، اس کے بعد نبی اللہ کی مراجعت، ماں اور بچے کا اس وحشت آفریں بیاباں میں قیام، پھر بچے کی پیاس، تشنگی سے بے قرار اور بے دم ہو ہو کر اس معصوم کا ایڑیاں رگڑنا اور صفا و مروہ کے مابین عالم اضطراب میں ہاجرہ کا دوڑنا کیسی ابتلا ہے، کیسی کربلا ہے۔

تسلیم و رضا اور صبر و شکر کا کتنا بڑا امتحان ہے!

اور پھر دفعتاً منظر بدلتا ہے! چشمۂ زمزم جاری ہو گیا!

لیکن کربلا میں نہر فرات کا بہتا ہوا پانی جناب علی اصغرؑ کے لئے روک دیا گیا۔

نہ صرف اس معصوم کے لئے بلکہ تمام کاروانِ حسینی کے لئے۔

کیوں کہ یہ عزیمت، تسلیم و رضا اور ثبات و صبر کا دوسرا امتحان تھا بہت بڑا بہت بے مثال کیونکہ ذبح عظیم کی تکمیل ارضِ مکہ کی بجائے ارضِ کربلا میں ہونی، مشیت الٰہی ٹھہر چکی تھی۔ ابراہیم و اسماعیل کی آزمائش کا یہ پہلا مرحلہ تھا۔

پھر انہیں موقعہ عطا کیا تھا۔ کعبہ تعمیر کریں، مکہ کو آباد کریں سلسلۂ تعمیر جاری رہا۔

اب ایثار و قربانی کا ایک اور مرحلۂ سخت در پیش ہے۔ داستانِ حرم کی (جو کہ غریب و سادہ ہے) ابتدا اسماعیل کے ہاتھوں مقصود ہے!

جناب خلیل لگاتار خواب دیکھتے ہیں۔ عزیز ترین شے کو قربان کیجئے۔ ظاہر ہے بیٹے سے عزیز کون ہو گا۔

اس فضا کو زیدی صاحب کے سحر طراز اور جادو اثر قلم کے حوالے سے دیکھئے۔

اس حقیقت کی بھی قرآن نے خود دی ہے خبر
دیکھی جب خواب میں قربانیٔ محبوب پسر
خود کمر بستہ ہوئے اس پہ خلیل داور
پوچھا فرزند سے کیا رائے ہے اے نیک سیر

عشقِ خالق کا دل و جاں سے جو دم بھرتا ہوں
تم جو راضی ہو تو مَیں ذبح تمہیں کرتا ہوں

فرزندِ نیکِ سیر تو خود رضائے الٰہی کے سانچے میں ڈھلے ہوئے تھے۔

سُن کے یہ خوابِ نبی کہنے لگا وہ دل بند
باباجاں حکمِ الٰہی کا ہے اصغر پابند
خوف کھاؤں گا نہ اس امر سے گھبراؤں گا
حکم مولا بر و چشم بجا لاؤں گا۔

اللہ ہر دو خاصانِ الٰہی کے دلوں کی استقامت، صداقتِ نیت اور حسنِ عمل کو دیکھ رہا تھا۔ دونوں اس امتحان، اس ابتلا میں پورے اترے تھے۔ جب مقامِ قربانی پر پہنچے۔ بیٹے کو لٹایا۔ چھری ہاتھ میں لی۔ آنکھوں پر پٹی باندھ لی اور ذبح کے عملی مرحلے سے گذر گئے۔ تب ندائے غیب آئی ۔

امتحاں ہو چکا قدرت کی نگہبانی سے
ہم نے بدلا ہے جسے اس نری قربانی سے

پھر فوراً وضاحت کر دی جاتی ہے ۔

حق نے اس امر کو آئندہ رکھا ہے باقی
خلق میں فدیۂ تنویر خدا ہے باقی

اس طرح زیدی صاحب نے اپنے قاری اور سامع کو اس مقامِ تفہیم تک پہنچا دیا کہ اُس پر واضح ہو گیا کہ یہ قربانی تو ایک ابتدائی عمل تھا، اولین مشق :۔ ایک آئندہ ہونے والی کربلائے عظمیٰ کا ہیولیٰ ۔

طغیانِ ناز بیں کہ جگر گوشۂ خلیل
در زیرِ تیغ رفت و شہیدش نمی کنند

۶۴ ویں بند میں زیدی صاحب اس حکمتِ خداوندی سے پردہ اٹھاتے ہیں اور قربانی کے اس واقعے کے تمام اسرار و رموز کی نہایت جامعیت، بلاغت اور حسن اسلوب کے ساتھ چہرہ کشائی کرتے ہیں۔

اصل میں خوابِ براہیم کی تعبیر جلی
کربلا میں ملی، موقوف منا میں جو رہی
راہِ خالق میں ہوئے ذبح حسین ابنِ علی
پسرِ ہاجرہ کے حصے میں عظمت یہ نہ تھی
یہ بشارت تھی فقط سبطِ پیمبر کے لئے
یعنی مختص تھی اسی خاصۂ داور کے لئے

اس کے بعد ۲۲ بند میں کربلا کے ابتلاء و مصائب کا ایسا درد انگیز لیکن متوازن بیان ہے کہ زیدی صاحب نے فصاحت کے دریا بہا دیئے ہیں۔ دل و جگر کا سارا لہو قلم سے دامانِ قرطاس پر ٹپکا دیا ہے۔ پوری رقت انگیزی، گریہ آوری اور دل خون کردن کی شفق آلود فضا سے قرطاس و قلم رنگین ہیں۔ ادھر زیدی صاحب کا قلم قطرہ ہائے اشک برسا رہا ہے۔ ادھر اہل مجلس کی آنکھیں برس رہی ہیں جذبوں کے نہایت آتشیں اور قیامت انگیز ٹکڑے کاغذ پر رکھ دیتے ہیں لیکن جذبوں کے اس جوشِ نمو کے باوجود زیدی صاحب ایک صاحبِ بصیرت تخلیق کار کی طرح اپنے فنی اور معنوی فریضے سے ایک لمحہ کے لئے غافل نہیں ہوئے۔ اسی اشکوں کے طغیان اور درد انگیزی کے طوفان کے عالم میں فرماتے ہیں۔

ہو کے دو زانو قریں لاش کے بیٹھیں زینب
شدتِ غم میں مگر روئیں نہ تڑپیں زینب
کی نظر سوئے فلک اور یہ بولیں زینب
عرض یہ کرتی ہے یارب تری غمگیں زینب

تیری سرکار میں ہدیہ مرے مولا ہو قبول
آلِ احمد کی یہ قربانیٔ عظمیٰ ہو قبول

یہی قربانی ہوئی وجہِ بقائے اسلام
تا ابد زندہ و تابندہ محمدؐ کا ہے نام
ملّتِ مسلمہ کا بن گیا بگڑا ہوا کام
یہ سحر وہ ہے نہیں جس کے عقب میں کوئی شام

حفظِ ناموسِ شریعت کی علامت ہے یہی
حشر میں بخششِ امّت کی ضمانت ہے یہی

اس ساری گفتگو سے میری مراد یہ ہے کہ زیدی صاحب نے بظاہر ذبحِ عظیم پر نظم کہہ کر اور حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ کے احوالِ حیات بیان کر کے ایک غیر رثائی موضوع کا تجربہ کیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام تر ایک رثائی عمل ہے کیونکہ پہلے بند سے آخری بند تک حرف حرف کے آئینے میں کربلا کا چہرہ نمودار ہے اور قربانی اپنے عمل آغاز سے تکمیلِ عمل کی منزل امام حسینؑ کی قیادت میں طے کرتی ہے۔ کربلا کی یہی مسلسل جلوہ ریزی اہلِ مجلس کے دلوں میں گریہ پیدا کرتی ہے۔ لیکن جذبوں کی اس گھٹا میں ان کی نگاہوں کے سامنے غور و تفکر اور دعوتِ عزیمت کا سورج بھی طلوع رکھتی ہے اور تمام سامعین خواہ وہ کسی مکتبِ فکر سے متعلق ہوں اس مرثیے، اس کے موضوع اور اس کے مقاصد کی گرفت میں آ کر وہی اثر قبول کرتے ہیں جو مصنف کا منشا ہے! موضوع اور مقاصد کے اس جائزے کے بعد دوسرے محاسن پر نظر ڈالی جاتی ہے۔

ایک خصوصیت اس مرثیے کی یہ ہے کہ اس میں چار ہزار سال کی اسلامی تاریخ کو نہایت منطقی ترتیب اور تاریخی صداقت کے ساتھ سلکِ نظم میں پرو دیا ہے اس

راہ کی مشکلات کو اربابِ فن ہی جان سکتے ہیں اور یہ امر ایسی شخصیت سے ممکن العمل ہے جو مستند معلومات کا ایک ذخیرہ نہ صرف محفوظ رکھتا ہو بلکہ اس کے استحضار کے ساتھ ساتھ اسے حسنِ ترتیب کے ساتھ پیش کرنے کے سلیقے سے بھی آشنا ہو حضرت ابراہیمؑ سے جو سلسلہ ہائے نسل چلے اُن میں مختلف اسمائے مقدس کو اس طرح لانا، کہ اس سے فن کا جمال متاثر نہ ہو اور شعریت برقرار رہے، آسان کام نہیں۔ اس مقام کا مطالعہ کیجئے۔

نسلِ اسحاق میں ذی قدر جو یعقوب ہوئے
زکریا، یحیٰی ہوتے۔ یوسف و ایوب ہوئے
تذکرے تختِ سلیماں کے بھی کیا خوب ہوئے
انہی انوار سے داؤد خوش اسلوب ہوئے
بلکہ تھی نسلِ خلیلی کی حقیقت قائم
ہوئی پھر حضرتِ موسیٰ کی رسالت قائم
نسلِ اسحاق کا وہ سلسلۂ رشدِ انام،
بڑھ کے آخر کو ہوا حضرتِ عیسیٰ پہ تمام
دے گئے حضرتِ شمعون کو یہ آپ خبر
ہوگا اس دہر میں اب احمدِ مرسل کا گذر

ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ اس چار ہزار سالہ تاریخی احصا میں (جو اسلامی نقطۂ نظر سے ہے) اسلام کی تہذیبی روایت کو تسلسل کے ساتھ پیش کیا ہے اور وہ اقدار جو صحفِ آسمانی اور ہماری شرعی تعلیمات کا نچوڑ ہیں، ان کو ہر مقام پر ابھارا گیا ہے۔ خدا سے عشق و اطاعت کا تعلق، حوصلہ و عزیمت، صبر و ثبات، تسلیم و رضا حق پرستی، باطل شکنی، وغیرہ۔

حق پرستی کی جو مقصود ہو تعلیم عمیم!
ہے عیاں میرے گھرانے ہی سے اسکی تقدیم

ایک بہت ہی نئی لیکن نہایت اہم بات دیکھی اور دل سے زیدی صاحب کے لئے بے ساختہ دعا نکلی۔ انہوں نے حضرت ابراہیمؑ کو وفاقی نبی قرار دیا ہے۔

رہتا تھا آپ کے دیدار کا عالم مشتاق
شام وکنعان و عرب، مصر و فلسطین و عراق
قابلِ غور یہ اک امر ہے بینِ آفاق
کس کو حاصل ہوا یوں عالمِ امکاں کا وفاق

صفحۂ بزمِ جہاں کیسے کہیں سادہ ہے
ہے کہیں بیتِ مقدس تو کہیں کعبہ ہے

ابراہیم پیغمبرِ وفاق ہیں کیونکہ :-

ا :- وہ مرکزِ توحید خانہ کعبہ کے معمارِ اوّل ہیں۔ یہ مرکز تمام امت کے لئے فکری اور عملی وحدت کا وفاق ہے۔

ب :- انہی کی اولاد حضرت اسحاق اور حضرت اسماعیل ہیں جن کے سلسلۂ مبارکہ سے انبیاً ورسل مبعوث ہوتے اور پورے آفاقِ انسانی میں اسلام پھیلا۔

ج :- ہم مسلمانانِ عالم، ملّتِ ابراہیمی ہیں ہمارے حضور، سیّد المرسلین، خاتم الانبیاً حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو تمام انبیاء کا شرف ہیں اور جن کے سرِ اقدس پر ہمہ فضائل کا تاج رکھا ہے، آپ ہی سے نسبتِ نسبی رکھتے ہیں۔

د :- دودمانِ نبوت اور خانوادۂ امامت آپ ہی کے انوار کا حامل اور آپ ہی کی اقدار پر عامل ہے۔ آپ ہی کے دینِ حنیفی پر قائم اور اسی کا مبلغ ہے۔ آپ کے شیوۂ ایثار وقربانی کی تکمیل اسی منور گھرانے کے ہاتھوں ہوئی اور حیاتِ انسانی کو ایک ابدی منشور ہاتھ آیا۔

حضرت ابراہیمؑ کی دعاؤں سے قرآن کے صفحات درخشاں ہیں۔ آپ بکثرت دعائیں فرماکر اصل میں ملّتِ ابراہیمی کو اصولِ عبدیت و عبادت کی تلقین فرماتے تھے۔ زیدی صاحب نے حضرتِ ابراہیم کے اس شیوۂ دعا کو اپنے اسلوبِ شعری میں برتا ہے اور ذبح عظیم کے صفحات کو اُن کے کلماتِ دعا سے تابندگی بخشی ہے مثلاً بیٹے کے لئے دم بدم بارگہ حق میں دعا کرتے تھے :-

عرض کرتے تھے کہ اے قادر و غفار و کریم
اب تو یہ چاہتا ہے تجھ سے ترا ابراہیم
حق پرستی کی جو مقصود ہو تعلیم عمیم
ہو عیاں میرے گھرانے ہی سے اس کی تقدیم

بطن سارا سے ہو یوں خلق میں دلبر پیدا
جیسے ہوتا ہے صدف سے کوئی گوہر پیدا

اس دعا کو اس انداز میں قبولیت حاصل ہوئی کہ اللہ کے دربار سے حکم ملا:

عقد میں ہاجرہ کو لطف و کرم سے لاؤ

جب آپ تعمیرِ کعبہ فرما چکے تو اللہ سے دعا کی :

یعنی اے خالق و رزاق، دو عالم کے کریم
تیری رحمت کا طلب گار ہے یہ ابراہیم
دل نہ اس عاجز و محتاج کا ہو غم سے دو نیم
کُل کے حالات کا ہے تو ہی حقیقت میں علیم

اُنس و اخلاص و صداقت سے سجا دے اس کو
امن کا شہر تو عالم میں بنا دے اس کو

جب دعا کی منظوری کا مژدۂ خوش کن حضرت نے سن لیا تو پھر لبِ صدق

پر ایک اور دعائے مطہر نمودار ہوئی:

سن کے یہ مژدۂ خوش کن ہوئے مسرور جناب
عرض کی بارگہہ حق میں کہ رب الارباب
مجھ کو بخشا ہے جو تو نے یہ گراں قدر خطاب
کھول دے آل پہ بھی میری فضیلت کا یہ باب

جب اس دعا نے بھی بارگاہِ قبولیت تک رسائی کی تو لبِ منور سے دعا کی ایک اور شعاع پھوٹی:

امتِ مسلمہ کے بیچ کوئی پیدا کر
اور ہدایت کے لئے ایک نبی پیدا کر

آلِ طیب وطاہر کے لئے ایک اور دعا لبِ ابراہیمؑ سے نکلی:

اے خداوندِ جہاں کرتا ہے یہ عرض حقیر
آل کو اس کی عطا کرنا ہمیشہ توقیر
تیرے دربار میں پہنچے یہ پیامِ دل گیر
کر قبول اس کو تو اے خالقِ کل ربِ قدیر

آل سے اس کی بنے کام رسالت کا تمام
سلسلہ نسل میں اس کی ہو نبوت کا تمام

یہ دعا جس شکل میں قبول ہوئی اُسے زیدی صاحب نے نہایت حسین پیرایۂ اظہار میں بیان کیا ہے جس سے ایک طرف اخلاصِ دعا کا کمال ظاہر ہوتا ہے اور دوسری جانب رضائے الٰہی اور خوشنودئ خداوندی کا انتہائی ابلاغ ہوتا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ اپنے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کو بشارت سنا رہے ہیں:

تیرے اخلاف میں اک ہوگا رسولِ مقبولؐ
یہ بشارت تجھے دیتا ہوں میں اے دین کے پھول
ہوگیا پیشِ الٰہی مرا ہدیہ جو قبول
مدعا اپنا بھی دل کا ہوا واللہ حصول

سلسلہ لطفِ الٰہی کا چلے گا تا حشر
تذکرہ بارہ اماموں کا رہے گا تا حشر

زیدی صاحب مکالمہ نویسی میں زبردست مہارت رکھتے ہیں ان کے تمام ہی مرثیوں میں مکالمات کے اعلیٰ، عمدہ اور حسین وجمیل نمونے محفوظ ہیں۔ ذبح عظیم میں دعاؤں کے مکالمے، باپ بیٹے کی گفتگو خصوصاً قربانی کے تناظر میں مکالمہ یا کربلا کے چند مکالمے بہت خوبصورت تخلیقی پارے ہیں۔

جناب زیدی کے اسلوب کے بارے میں اجمالاً یہ کہنا بے محل نہ ہوگا کہ وہ لطافت وبلاغت کے لئے زبان وبیان کے بے شمار محاسن سے کام لیتے ہیں، زبان ٹکسالی اور روزمرہ کے عین مطابق، کہیں کہیں محاورات کی نہایت چابکدستی سے کھپت، مکالمات کا تلازمہ، تشبیہ واستعارہ اور رمز وایما کا موزوں اور برمحل استعمال موضوع سے مواد کا لطیف معنوی ربط، مستند اور معتبر مواد کا چناؤ اور استعمال، الفاظ کا انتخاب اور شعری تنظیم میں اُن کا صرف، نت نئے قوافی کو اس انداز میں لانا کہ وہ مضمون کا مزاج بن کر آئیں اور ان سب باتوں پر فائق وہ بے ساختہ پن اور صفائی بیان جو اثر آفرینی کی کلیاں چٹکاتی اور رقت وتاثر کے پھول مہکاتی ہے۔ بے ساختہ پن اور تاثیر میں رچے بسے چند اشعار لکھ کر اپنی بات کا ثبوت فراہم کرتا ہوں:

جس سے تھی خلق کی زینت وہ قرینہ نہ ملا
بحرِ ہستی میں تسلّی کا سفینہ نہ ملا

حکم خالق ہوا، اچھا نہیں یہ طور خلیل
زن و فرزند کو پہنچا دو کہیں اور خلیل

پیاس بچے کی بجھی، پانی تھا میٹھا ٹھنڈا
لطفِ داور سے ہوا ماں کا کلیجہ ٹھنڈا

خندہ رو راہِ رضا سے جو گذر جائیں گے
بس حیاتِ ابدی ایسے بشر پائیں گے

مانگتے تھے تو طلب سے بھی سوا ملتا تھا
وہ بجا لاتے تھے جو حکمِ خدا ملتا تھا

راہِ معبود سے ہو گا نہ یہ بندہ گمراہ
آپ صابر ہی مجھے پائیں گے انشاء اللہ

نورِ معبود لئے اک نئی سج دھج نکلا
گھر سے عبد اللہ ذی جاہ کے سورج نکلا

قطرۂ آب کو ترسا کئے پیاسے بچے
کس اذیت میں تھے معصوم ذرا سے بچے

اس طرح سہہ گیا بیدادِ زمانہ معصوم
بن گیا تیرِ ستمگر کا نشانہ معصوم

کھینچ کر تیغ بڑھا جب اسد اللہ کا لال
بھاگے روباہ صفت ڈر کے عدو مثلِ شغال

لو ہے خالق سے لگی، عصر کا ہنگام ہے اب
جز خدا مجھ کو کسی اور سے کیا کام ہے اب

راہِ میداں میں جو مقتل سے ہَوا آتی تھی
کان میں ہائے حُسینا کی صَدا آتی تھی

ہیں اتنی دل کش، دل نشیں اور دل کشا تخلیق پر سید شہید احسن زیدی کو مبارک باد دیتا ہوں۔ ساتھ کے ساتھ اس دعا کے قبول ہونے کی بشارت بھی انہیں قبول ہو!

بس دعا یہ ہے کہ محنت کا ثمر مجھ کو ملے
فضلِ شبیر سے فردوس میں گھر مجھ کو ملے

۱

اک اولوالعزم پیمبر تھے خلیلؑ داور
عاشقِ خالقِ اکبر تھے خلیلؑ داور
ابتلا میں بھی نہ مضطر تھے خلیلؑ داور
تابعِ مرضیِ داور تھے خلیلؑ داور

ظلمِ نمرود گوارا کیا خورسندی سے
آگ سے بچ بھی گئے فضلِ خداوندی سے

۲

آپ تارخ کے تھے فرزند جو تھے نیک سیر
اک چچا ان کا تھا سب کہتے تھے جس کو آذر
پرورش کرتا تھا ان کی وہی بے دیں بُت گر
منحرف اُس سے براہیمؑ مگر تھے یکسر

بُت فروشی کے عوض بُت شکنی کرتے تھے
شرک والحاد کی یوں بیخ کنی کرتے تھے

۳

سالکِ جادۂ اسلام تھے بچپن سے خلیلؑ
مُجملاً آپ کی سیرت کی ہے کچھ یوں تفصیل
زندگی میں ملیں دو آپ کو ازواجِ جمیل
دونوں تھیں فرقِ مراتب سے نبوت کی کفیل

سارا لائی تھیں ادھورا ہی رسالت کا پیام
ہاجرہ لائیں مگر ختمِ نبوّت کا پیام

۴

عقد سارا سے ہوا گھر جو بھرے ابراہیمؑ
تب اُنہیں مرضئ معبود کی آئی تفہیم
بس کہ خالی نہیں حکمت سے کوئی فعلِ حکیم
پوری اس شادی سے ہر ایک ہوئی رسمِ قدیم

دیتا تھا دین کی خبریں جو امارت کا جہیز
پایا ماں باپ سے سارا نے ریاست کا جہیز

۵

پا کے سامانِ امارت کو خلیلؑ خوش ذات
مدتوں زیست بسر کرتے رہے شکر کے سات
کٹ گئے گرچہ سہولت سے وہ لمحاتِ حیات
وجہ تسکینِ طبیعت نہ ہوئی ایک ہی بات
جس سے تھی خلق کی زینت وہ قرینہ نہ ملا
بحرِ ہستی میں تسلّی کا سفینہ نہ ملا

۶

یعنی پیدا نہ ہوا گھر میں کوئی گھر کا چراغ
ہوتا کچھ جس سے پیمبر کو تردّد سے فراغ
رات دن تھا اسی تشویش سے معمور دماغ
زخمِ نومیدیٔ اولاد بنا قلب کا داغ
کربِ حسرت سے پریشاں جو ہوا کرتے تھے
دمبدم بارگہِ حق میں دُعا کرتے تھے

۷

عرض کرتے تھے کہ اے قادر و غفّار و کریم
اب تو یہ چاہتا ہے تجھ سے ترا ابراہیمؑ
حق پرستی کی جو مقصود ہو تعلیم عمیم
ہو عیاں میرے گھرانے ہی سے اس کی تقدیم

بطنِ سارا سے ہو یوں خلق میں دِلبر پیدا
جیسے ہوتا ہے صَدف سے کوئی گوہر پیدا

۸

رات دن رہتے تھے حضرت یوں ہی مصروفِ دُعا
فضلِ خالق سے دُعاؤں میں اثر ہو کے رہا
قلب پر آپ کے کچھ اور ہی اک راز کھُلا
یعنی اللہ کے دربار سے یہ حکم مِلا

مِلک سارا کی ہے وہ دام و درم سے لاؤ
عقد میں ہاجرہ کو لُطف و کرم سے لاؤ

۹

تھی یہ تزویج مشیت کی نظر میں جو مباح
طے ہوا ہاجرہ سے مرحلۂ عقدِ نکاح
غیب سے آئی ندا حق میں ترے ہے یہ صلاح
ذرّیت بخشیں گے ہم تجھ کو پئے امن و فلاح
یہ ہماری ہے عطا حُسنِ سلف پائے گا
بطن سے ہاجرہ کے ایک خلف پائے گا

۱۰

نام فرزند کا رکھنا ہے تمہیں اسمٰعیلؑ
ہوگا عالم میں وہی باعثِ توقیرِ جلیل
تم پہ لازم ہے کہ ہو امرِ خدا کی تعمیل
آل پر اس کی ہی موقوف ہے دیں کی تکمیل
چار سُو مذہبِ اسلام درخشاں ہوگا
نُورِ ایوانِ حرم اُس سے نمایاں ہوگا

۱۱

الغرض خلق ہوا میوۂ بُستانِ خلیلؑ
یہی گلچہرہ ہوا نازِ گلستانِ خلیلؑ
لطفِ معبود سے پورے ہوئے ارمانِ خلیلؑ
زینتِ عالمِ اِمکاں ہوا یہ جانِ خلیلؑ

روشنی عرش کی تھی جو وہ ضیاء پائی تھی
جس کی تنویر سے کونین کی زیبائی تھی

۱۲

نامِ نامی کے لئے پایا تھا جو حُکمِ خدا
اپنے بیٹے کو اُسی نام سے موسوم کیا
چھوڑتے کیسے بھلا جادۂ تسلیم و رضا
اُنہیں اِک رُتبۂ اعلیٰ تھا خدا نے بخشا

اصل میں دینِ خدا کی تھے بقا اسماعیلؑ
رکھتے تھے نُورِ امامت کی ضیا اسماعیلؑ

۱۳

پرورش پانے لگا نامِ خدا وہ ذی جاہ
آپ رکھتے تھے سدا اُس پہ محبت کی نگاہ
دلِ سارا سے مگر اُٹھتی تھی پیہم اِک آہ
تھی نہ اولاد کوئی ان سے ہوا حال تباہ

کام کچھ اُن کے نہ کڑھنا نہ جلاپا آیا
عمر کٹتی گئی آخر کو بڑھاپا آیا

۱۴

ہاجرہ بی بی سے بڑھ کر ہوا کس بی بی کا اوج
آپ بے مثل تھیں، بے مثل تھا آفاق میں زوج
نورِ دریائے امامت کی ملی ان کو وہ موج
جس کے دیدار کی مشتاق ملک کی بھی تھی فوج

ہاجرہ بی بی جو یوں صاحبِ توقیر ہوئیں
سارہ سوکن تھیں سو رنجیدہ و دلگیر ہوئیں

۱۵

ہاجرا کا یہ تفوّق ہوا سارا پہ گراں
دل میں اُٹھتا ہی رہا رشک و حسد کا طوفاں
ہاجرہ کے لئے تھا تنگ جو سوکن کا مکاں
ساتھ رہنے کا نظر آیا نہ کوئی امکاں
حکمِ خالق ہوا اچھا نہیں یہ طورِ خلیلؑ
زن و فرزند کو پہونچا دو کہیں اور خلیلؑ

۱۶

حسبِ منشائے خدا آپ نے لی راہِ سفر
نہ تو جادے سے شناسائی نہ منزل کی خبر
آخرش ایک بیاباں میں ہوا جبکہ گذر
غیب سے آئی ندا ٹھہرو یہیں پیغمبر
ارضِ مکّہ ہے یہ آباد اِسے کرنا ہوگا
یہیں ماں کو معِ فرزند ٹھہرنا ہوگا

۱۷

ہاجرہ ٹھہریں وہیں گود میں بچّے کو لئے
اور براہیمؑ انہیں چھوڑ کے واپس جو ہوئے
پیاس بچّے کو لگی ماں کے حواس اڑنے لگے
وہاں چشمہ نہ کنواں کیسے بھلا پیاس بجھے
دمبدم پیاس سے لڑتا تھا وہ طفلِ معصوم
ایڑیاں اپنی رگڑتا تھا وہ طفلِ معصوم

۱۸

ہاجرہ دوڑیں بھی مابینِ صفا و مروہ
مگر اُس وادیٔ بے آب میں پانی کیسا
دفعتاً پاس ہی بچّے کے نمودار ہوا
ایک چشمہ کہ بافراط تھا پانی جس کا
پیاس بچّے کی بجھی پانی تھا میٹھا ٹھنڈا
لطفِ داور سے ہوا ماں کا کلیجہ ٹھنڈا

١٩

اُسی ویرانے میں آبادی کے ساماں بھی ہوئے

قافلے آتے گئے اور وہیں بستے بھی گئے

پھر براہیمؑ بھی پہونچے وہاں رہنے بھی لگے

خطۂ مکّہ بنا شہر جہاں گھر بھی بنے

خیر سے پھر تو پلے اور بڑھے اسماعیلؑ

اُسی ماحول میں پروان چڑھے اسماعیلؑ

٢٠

تھی اُدھر سارا کے لب پر یہی ہر وقت دُعا

ایک بیٹا ہو مجھے بھی مرے اللہ عطا

آخرش ہوگئی مقبول دُعائے سارا

کھل اُٹھا غنچۂ اُمید بہ فضلِ مولا

رحمتِ حق سے مُداوائے تباہی پایا

گو ضعیفی تھی پر انعامِ الٰہی پایا

۲۱

حکمِ خالق سے ہویدا ہوا اک امرِ جدید
ظلمتِ یاس میں روشن ہوئی شمعِ اُمید
بطن سے اُن کے بھی پیدا ہوا فرزندِ سعید
دلِ سارا کو ہوئی دید سے جس کی اک عید

حق نمائی کا جو یہ امرِ خوش انجام ہوا
پورا منشائے الٰہی کا ہر اک کام ہوا

۲۲

ہوا توریت میں مذکور یہ مضمون تمام
ایک جا پر نہ رہے جم کے خلیلِ خوش کام
حکمِ معبود سے اِس جا کبھی اُس جا تھا مقام
جس جگہ جاتے تھے دم بھرتے تھے سب خاص و عام

شہروں شہروں پھرے اقدام بہ تاثیر گئے
جس جگہ پہونچے مکانات ہی تعمیر کئے

۲۳

رہتا تھا آپ کے دیدار کا عالم مشتاق

شام و کنعاں و عرب مصر و فلسطین و عراق

قابلِ غور یہ اک امر ہے بینِ آفاق

کس کو حاصل ہوا یوں عالمِ امکاں کا وفاق

صفحۂ بزمِ جہاں کیسے کہیں سادہ ہے

ہے کہیں بیتِ مقدس تو کہیں کعبہ ہے

۲۴

ہیں تعمیر کئے کس نے یہ پاکیزہ مکاں

دیدنی آج تلک ساخت کا ہے جن کی نشاں

کیوں نہ ہو دہر میں وہ وجہِ بنائے امکاں

خود ہوا جن کی عمارات کا شاہد قرآں

حق پرستی کی یہ تاثیر کا دیتا ہے پتہ

خانۂ کعبہ کی تعمیر کا دیتا ہے پتہ

۲۵

کوئی بتلائے تو کیسے ہوئی تعمیرِ حرم
بینِ عالم ہے یہ کس عاشقِ داور کا کرم
کارِ قرطاس ہے یہ اور نہ اظہارِ قلم
ذکرِ تعمیر ہے قرآن کے لفظوں میں رقم
نورِ ایماں کی تجلّی سے یہ تخمیر ہوا
بیتِ حق دستِ براہیمؑ سے تعمیر ہوا

۲۶

ٹھہرے جب مکّہ کے نزدیک شہِ نیک نہاد
خانۂ کعبہ کی قائم ہوئی اُس دم بُنیاد
بخدا دینِ حقیقی کی یہی اک تھی مُراد
مرتبہ جس سے ہوا صاحبِ خُلّت کا زیاد
طبقِ ارض پہ ایماں نے سجایا کعبہ
باپ بیٹے نے بہم ہو کے بنایا کعبہ

۲۷

حق نے ٹھہرائی ہے لوگوں کے یہ اجماع کی جا

تاکہ یاں آکے کریں لوگ عبادات و دُعا

کر دیا پاک یہ گھر جو ہے دو عالم کی ضیا

جلوہ گر ہوگا یہاں آپ سدا نورِ خُدا

آکے حُجّاج مناسک جو بجا لائیں گے

دین و دنیا کی سعادت وہ بہم پائیں گے

۲۸

اوّلِ بیتِ خدا دہر میں بس ہوگا یہی

حشر تک جس کی ضیا چار طرف پھیلے گی

مُعتکِف ہوگی اسی گھر میں کبھی اک بی بی

ہوگا پیدا یہیں پیغمبرِ آخر کا وَصی

بہرہ ور جس کی امامت سے کُل انساں ہونگے

اُس کے جو ہونگے مُحِب صاحبِ ایماں ہونگے

۲۹

چمکے گا اس میں سدا نورِ خداوندِ جہاں
اہلِ عالم کے لئے ہو گی یہی جائے اماں
مقصدِ حق جو ہوا قلبِ خلیلؑ پہ عیاں
کھولی تب بارگہ حق میں انہوں نے بھی زباں
حکمِ معبود جو تھا فرض ادا کرنے لگے
لبِ حق گو سے یہی آپ دعا کرنے لگے

۳۰

یعنی اے خالق و رازق دو عالم کے کریم
تیری رحمت کا طلبگار ہے یہ ابراہیمؑ
دل نہ اس عاجز و محتاج کا ہو غم سے دونیم
کُل کے حالات کا ہے تو ہی حقیقت میں علیم
اُنس و اخلاص و صداقت سے سجا دے اِس کو
امن کا شہر تو عالم میں بنا دے اِس کو

۳۱

سُن کے یہ عرضِ پیمبر ہوا ارشادِ الٰہ
تیرے جو ہوں گے میں بخشوں گا انہیں اپنی پناہ
اہلِ دنیا کے دلوں میں ہے مگر اک یہی چاہ
فائدہ اس سے اٹھائیں سبھی جاہل گمراہ
صرف دنیا ہی پہ جو لوگ نظر رکھیں گے
وہ ضرور آتشِ دوزخ کا مزہ چکھیں گے

۳۲

ہاں تجھے لوگوں کا میں نے جو بنایا ہے امام
امتحاں پورا ہوا تیرا تو پھر بن گیا کام
ذات پر تیری جو واجب ہے دو عالم کا سلام
رونق دین ہے تو اور ضیائے اسلام
نفع دنیا کے لئے تجھ پہ جو مائل ہوگا
جز خسارہ اُسے کچھ اور نہ حاصل ہوگا

۲۳

سُن کے یہ مُژدۂ خوش کُن ہوئے مسرور جناب
عرض کی بارگہِ حق میں کہ ربّ الارباب
مجھ کو بخشا ہے جو تو نے یہ گراں قدر خطاب
کھول دے آل پہ بھی میری فضیلت کا یہ باب
مُستفیض اِس سے جو ذُرّیتِ عاجز ہو گی
پیروی اُس کی بھی پھر خلق پہ جائز ہو گی

۲۴

بارگاہِ احدیّت سے یہ پھر آئی ندا
ظالموں کو نہ مرا عہد کبھی پہونچے گا
جو کہ مظلوم ہیں اِس دہر میں عُشّاقِ خُدا
پیشوا ہوں گے صداقت کے وہی اہلِ وفا
خندہ رُو راہِ رضا سے جو گزر جائیں گے
بس حیاتِ ابدی ایسے بشر پائیں گے

۳۵

ہوئے اِس امر سے آگاہ جوں ہی ابراہیمؑ

عرض کرنے لگے برجستہ کہ اے ربِّ کریم

حکمتِ خلقِ دو عالم کا ہے تو آپ علیم

التجا میری ہے اتنی کہ پئے امرِ عظیم

امّتِ مسلمہ مکّہ میں کوئی پیدا کر

اور ہدایت کے لئے ایک نبی پیدا کر

۳۶

بھیج اُن میں ہی سے ایسا کوئی پھر پاک رسول

ذات پر جس کی سدا ہو تری رحمت کا نزول

اُس کی تعلیمِ ہدایت ہو جہاں میں مقبول

اُس سے حاصل کرے کچھ فیض یہ سب قوم جہول

پیکرِ جہل جو ہیں علم سکھائے اُن کو

جتنے کافر ہیں مسلمان بنائے اُن کو

۳۷

قابلِ غور مگر اب یہ رہی بات ضرور
منصب و عہدِ رسالت سے جو تھے شاد حضور
پھر امامت کے بھی طالب ہوئے کیوں پیشِ غفور
کیا امامت سے رسالت کا ہے درجہ کچھ دور

اس طرح شانِ امامت جو نظر آتی ہے
مرتبہ اس کا ہے کچھ اور یہ بتلاتی ہے

۳۸

مطمئن حال سے اپنے تھے خلیلِؑ معبود
رونقِ زیست تھے جن کے لئے بیٹوں کے وجود
بخشی تھی حق نے جو توفیقِ قیام اور قعود
جھکتی تھی فرطِ تشکّر سے جبیں بہرِ سجود

مانگتے تھے تو طلب سے بھی سوا ملتا تھا
وہ بجا لاتے تھے جو حکمِ خدا ملتا تھا

۳۹

اِس حقیقت کی بھی قرآن نے خود دی ہے خبر

دیکھی جب خواب میں قربانیٔ محبوب پسر

خود کمر بستہ ہوئے اُس پہ خلیلؑ داور

پوچھا فرزند سے کیا رائے ہے اے نیک سیر

عشقِ خالق کا دل و جاں سے جو دم بھرتا ہوں

تم جو راضی ہو تو میں ذبح تمہیں کرتا ہوں

۴۰

حکمِ اللہ ہے یہ اے میرے پیارے فرزند

اس کی تعمیل میں تاخیر نہیں مجھ کو پسند

سُن کے یہ خواب نبیؑ کہنے لگا وہ دلبند

باباجاں حکمِ الٰہی کا ہے احقر پابند

خوف کھاؤں گا نہ اس امر سے گھبراؤں گا

حکمِ مولا بسر و چشم بجا لاؤں گا

۴۱

راہِ معبود سے ہوگا نہ یہ بندہ گمراہ

آپ صابر ہی مجھے پائیں گے انشاءاللہ

آخرش لے کے چلے اُس کو خلیلِ ذی جاہ

رحمتِ خالقِ اکبر ہوئی اُن کے ہمراہ

راستہ طے ہوا فرزند کو لے کر پہونچے

ایک وادی میں پہاڑی کی پیمبر پہونچے

۴۲

منزلِ عشق کی جب ہوگئی یہ راہ تمام

قصدِ قربانی کا آخر کو ہوا یہ انجام

لیٹا تھا خاک پہ پیشانی کے بل، گل اندام

مستعدِ ذبح پہ تھے آپ خلیلِ خوش کام

واہ کیا صبر و تحمل کی صفت ذات میں تھی

پٹی آنکھوں پہ بندھی اور چھری ہات میں تھی

۴۳

ذبحِ فرزند کو کرنے لگے جس وقت خلیلؑ
سجدۂ طاعتِ معبود میں تھے اسمٰعیلؑ
بن گیا جن کی صداقت کا خدا آپ وکیل
چھائی کونین پہ کیفیتِ ایثارِ جلیل

صدق کو خواب خلیلؑ کے جو دکھلاتی تھی
کان میں حق و صداقت کی صدا آتی تھی

۴۴

موجزن جوش میں تھی رحمتِ غفّار و کریم
لبِ قدرت سے یہ فرماتا تھا رحمان و رحیم
حکم پورا کیا تو نے مرا اے ابراہیمؑ
تیرے فرزند کا فدیہ تو ہے اک ذبحِ عظیم

امتحاں ہو چکا قدرت کی نگہبانی سے
ہم نے بدلا ہے جسے اس تری قربانی سے

۴۵

حق نے اِس امر کو آیندہ رکھا ہے باقی
خلق میں فدیۂ تنویرِ خُدا ہے باقی
کوئی اِس رمز کو کیا جانے کہ کیا ہے باقی
عرشِ اعلیٰ کی ضیاء صلِّ علیٰ ہے باقی

جو جسے چاہتے ہیں ہم وہ عطا کرتے ہیں
نیک بندوں کو صلہ یوں ہی دیا کرتے ہیں

۴۶

سُن کے ارشادِ خدا شاد ہوئے ابراہیمؑ
سمجھے مقبول ہوا فدیۂ مذبوحِ نعیم
خود بخود ہوگئی مائل بہ سکوں طبعِ عظیم
کھول کر آنکھیں جو دیکھا تو کُھلا رازِ کریم

اک طرف لختِ جگر آپ کا استادہ تھا
ذبح تھا دُنبہ جو قدرت کا فرستادہ تھا

۴۷

بچ گیا ذبح سے بیٹا تو ملا کیف و سرور

زیست سے جس کی تھا اک قدرتِ داور کا ظہور

حکمِ معبود کی تعمیل سے تھا دل مسرور

سجدۂ شکر کیا کرتے تھے خالق کے حضور

فرضِ حُبِّ پدری آپ ادا کرتے تھے

حق میں دل بند کے یوں آپ دعا کرتے تھے

۴۸

اے خداوندِ جہاں کرتا ہے یہ عرضِ حقیر

آل کو اس کی عطا کرنا ہمیشہ توقیر

تیرے دربار میں پہونچے یہ پیامِ دلگیر

کر قبول اس کو تو اے خالقِ کُل ربِ قدیر

آل سے اس کی بنے کام رسالت کا تمام

سلسلہ نسل میں اس کی ہو نبوت کا تمام

۴۹

التجا کر چکے جب بارگہِ حق میں جناب
دی بشارت یہ پسر کو کہ مبارک ہوا خواب
تیری ہستی ہے حقیقت میں معلّٰی القاب
غور سے سُن لے جو میں کرتا ہوں اب تجھ سے خطاب
نسل نے تیری ہدایت کا شرف پایا ہے
شاد ہو رتبۂ اعلیٰ تجھے ہاتھ آیا ہے

۵۰

تیرے اخلاف میں اک ہوگا رسولِ مقبول
یہ بشارت تجھے دیتا ہوں میں اے دین کے پھول
ہوگیا پیشِ الٰہی میرا ہدیۂ جو قبول
مدّعا اپنا بھی دل کا ہوا واللہ حصول
سلسلہ لطفِ الٰہی کا چلے گا تا حشر
تذکرہ بارہ۱۲ اماموںؑ کا رہے گا تا حشر

۵۱

بارہ۱۲ ہوں گے وہ تری نسل میں سب ایسے امام
وجہ سے جن کی ہے اِس عالمِ امکاں کا قیام
نُورِ تنویرِ حقیقت ہیں جو وہ عرش مقام
بزمِ کونین میں ہر ایک ہے شمعِ اسلام
چاہنے والا ہے خود خالقِ یکتا اُن کا
کون ہو سکتا ہے اس دہر میں ہمتا اُن کا

۵۲

جزوِ تاریخ ہے یوں قصّۂ اخلافِ خلیلؑ
بخشی تھی آپ کو خالق نے جو اولادِ جمیل
ایک اسحٰقؑ تھے بیٹوں میں اور اک اسمٰعیلؑ
گھر تھے دونوں ہی کے آباد بحدِّ تکمیل
اک پسر زینۂ سارا کے لئے زیبا تھا
ہاجرہ کا بھی شرف اِک پسرِ رعنا تھا

۵۳

نسلِ اسحٰقؑ میں ذی قدر جو یعقوبؑ ہوئے
ذکریاؑ یحییٰؑ ہوئے یوسفؑ و ایوبؑ ہوئے
تذکرے تختِ سلیماںؑ کے بھی کیا خوب ہوئے
انہیں انوار سے داودؑ خوش اسلوب ہوئے
بسکہ تھی نسلِ خلیلیؑ کی حقیقت قائم
ہوئی پھر حضرت موسیٰؑ کی رسالت قائم

۵۴

نسلِ اسحاقؑ کا وہ سلسلۂ رشدِ انام
بڑھ کے آخر کو ہوا حضرتِ عیسیٰؑ پہ تمام
ابنِ مریم نے کیا دینِ خدا کا وہ کام
جس کے آغاز سے بے شک ہوا بہتر انجام
رونقِ گلشنِ ایماں سحر و شام رہے
سارے اعمالِ نبی حاملِ اسلام رہے

۵۵

دے گئے حضرتِ شمعونؑ کو یہ آپ خبر
ہوگا اِس دہر میں اب احمدِ مرسل کا گذر
خاتمِ عہدِ نبوّت ہے وہی خیرِ بشر
شرک و الحاد کے فتنے کا کچُل دیگا وہ سر
روحِ آدمؑ ہے وہی جانِ خلیلیؑ ہے وہی
نازشِ دولتِ ایمانِ خلیلیؑ ہے وہی

۵۶

جدِّ اعلیٰ اُسی ہستی کے تھے فرزندِ خلیلؑ
وجہِ شہرت وہی ہستی ہے پئے اسمٰعیلؑ
بس وہی ہستی ہے محبوبِ خداوندِ جلیل
ہوگی اُس ہستی پہ اللہ کے دیں کی تکمیل
تذکرہ عرش پہ ہے جس کا یہ احمدؐ ہے وہی
صلوٰۃ اُس پہ ہے واجب کہ محمدؐ ہے وہی

۵۷

بعد عیسیٰؑ کے رہا ظلم و جہالت ہی کا دَور
آخرش خالقِ یکتا نے دکھایا وہ طور
جس سے مخلوق کرے اپنی حقیقت پہ بھی غور
ماسوا اس کے نہ احسن تھا طریقہ کوئی اور
نُورِ معبود لئے اک نئی سج دھج نکلا
گھر سے عبداللہِ ذی جاہ کے سورج نکلا

۵۸

یعنی پیدا ہوا وہ نُورِ خداوندِ علیم
جس کے رُتبے کو کیا دونوں جہاں نے تسلیم
نام جس کا ہے محمدؐ وہ شعورِ تقدیم
بن کے آیا شرفِ رحمتِ رحمانؐ و رحیم
دی تھی عیسیٰؑ نے خبر جس کی وہ عظمت پائی
آپ کے آنے سے آفاق نے حشمت پائی

۵۹

ہوگیا قبلِ ولادت ہی وہ معصوم یتیم

سر پہ تھا اُس کے مگر ظلِّ خداوندِ کریم

اپنے دادا کی کفالت میں رہا طفلِ سلیم

اُن کا سایہ جو اُٹھا سر سے تو یہ ذاتِ عظیم

آئی یوں حفظ و نگہبانیٔ بوطالبؑ میں

ایک جاں ہوتی ہے جس طرح سے دو قالب میں

۶۰

ہوئے مبعوث رسالت پہ جو شاہِ بطحاؐ

کافروں نے کوئی دم چین سے رہنے نہ دیا

رہے ہر حال میں حامی وہی اک اُن کے چچا

رُعب سے جن کے نہ دشمن کا کوئی زور چلا

آپ کو عقدِ خدیجہؑ سے جو دولت تھی ملی

بہرِ دیں نشر و اشاعت کی سہولت تھی ملی

۶۱

گرچہ کفّار رہے درپئے آزار سدا
دیں کی تبلیغ کا لیکن نہ کوئی کام رُکا
رحلتِ زوجۂ غم خوار کا صدمہ بھی پڑا
آگئی موت چچا کو بھی تو غم اور بڑھا
داغ جب زوجہ و عمّو کا اُٹھایا شہ نے
چھوڑ کر مکہ مدینے کو بسایا شہ نے

۶۲

راہِ خالق میں پڑے جتنے مصائب شہ پر
صبر اور شکر سے سہتے رہے اُن کو ہر ور
ہونے والا تھا جو کچھ دہر میں اُس کی تھی خبر
حفظِ دیں کے لئے یہ بات یقینی تھی مگر
وقت آئے گا تو گھر بار لٹائیں گے حسینؑ
دینِ اسلام کو اک روز بچائیں گے حسینؑ

۶۳

تھا گراں آلِ محمدؐ پہ سن اِکسٹھ ہجری[61]

جس کے آغاز ہی میں ایک قیامت گزری

حاکمِ شام کی جانب سے تھی بیعت طلبی

کربلا میں ہوئے محصور حسینؑ ابنِ علیؑ

وقت قربانیِ موعود کا آیا آخر

اور شبیرؑ نے مقتل کو سجایا آخر

۶۴

اصل میں خوابِ براہیمؑ کی تعبیرِ جلی

کربلا میں ملی موقوف منا میں جو رہی

راہِ خالق میں ہوئے ذبح حسینؑ ابنِ علیؑ

پسرِ ہاجرہؑ کے حصّے میں عظمت یہ نہ تھی

یہ بشارت تھی فقط سبطِ پیمبرؐ کے لئے

یعنی مختص تھی اسی خاصۂ داور کے لئے

۶۵

سخت تھا گرچہ بہت مرحلۂ ذبحِ عظیم
تیری خوشنودی کی خاطر مگر اے ربِّ کریم
سب گوارا کیا شبّیرؑ نے با قلبِ صمیم
اپنی جاں نذر گزاری بہ رضا و تسلیم

سامنا تھا غم و اندوہ و پریشانی کا
مگر اللہ رے جگر فاطمہؑ کے جانی کا

۶۶

کربلا آ کے جس آفت میں گھرے تھے شبّیرؑ
کون کر سکتا ہے تفصیل سے اُس کو تحریر
ساتھ تھے اہلِ حرم اور کچھ اطفالِ صغیر
آبِ دریا تھی اُدھر روکے ہوئے فوجِ شریر

قطرۂ آب کو ترسا کیے پیاسے بچے
کس اذیّت میں تھے معصوم ذرا سے بچے

۶۷

سامنے آنکھوں کے بہتا رہا دریائے فرات

اُس سے پانی نہ مگر پا سکے پیاسے سادات

دن جو مشکل سے کٹا کاٹے نہیں کٹتی تھی رات

دمبدم دیتی تھی ایذائیں سپاہِ بدذات

نہ تو نالوں میں نہ آہوں میں بسر رات ہوئی

صبر کے ساتھ دُعاؤں میں بسر رات ہوئی

۶۸

روزِ عاشور ہوا جب سے وغا کا آغاز

تھے گھرے تیروں کی بوچھار میں سُلطانِ حجاز

ظُہر تک زندہ رہے جو بھی حُسینی جاں باز

اپنے آقا کی سپر بن گئے ہنگامِ نماز

گردشِ رہ کے وفاداریاں دکھلاتے رہے

سینوں پر اپنے وہ خود تیرِ قضا کھاتے رہے

۶۹

عصر تک شہ کا کوئی مونس و یاور نہ رہا
ناز لشکر کو تھا جس پر وہ دلاور نہ رہا
بھانجے چھُٹ گئے دلبندِ برادر نہ رہا
جو ضعیفی کا سہارا تھا وہ دلبر نہ رہا

اس طرح سہہ گیا بیدادِ زمانہ معصوم
بن گیا تیرِ ستمگر کا نشانہ معصوم

۷۰

نہ رہا کوئی تو میدان میں آپ آئے حسینؑ
تیغوں سے لاکھوں لعینوں کی نہ گھبرائے حسینؑ
ختمِ حُجّت کے سُخن ہونٹوں پہ جب لائے حسینؑ
دشت و کہسار سے آتی تھی صدا ہائے حسینؑ

کُرۂ ارض پہ اور عرش و جناں میں گونجی
استغاثہ کی صدا کون و مکاں میں گونجی

۷۱

کانپتے اُترے جو افلاک سے سُکّانِ فلک

ایک لرزش سی زمیں کو ہوئی تا حدِ سمک

پہونچی ہر سمت سے مخلوقِ خدا بہرِ کمک

تھا یہ مقصود کہ دیں لشکرِ گمراہ کو زک

انس و جن سب ہی غمِ شاہ سے دلگیر آئے

انبیاء سارے پئے نصرتِ شبیرؑ آئے

۷۲

ناصرانِ شہ دیں بہرِ وغا اُٹھنے لگے

کہکے لبیک شہیدانِ وفا اُٹھنے لگے

سُن کے سجّاد پدر کی جو صدا اُٹھنے لگے

ہاتھ سیدانیوں کے بہرِ دُعا اُٹھنے لگے

ناتواں جسم میں طاقت جو بہ اعجاز آئی

دن سے تب باپ کی یہ کان میں آواز آئی

۷۳

اے مرے لال تجھے خالقِ اکبر کی قسم
ٹیک کر تیغ اُٹھانا نہ پڑے جنگ قدم
بزمِ عالم ابھی ہو جائے گی درہم برہم
تپ کی شدّت ہے کمر فرطِ نقاہت سے ہے خم
سب کو چھوڑا ہے تمہارے ہی سہارے دلبر
گھر سنبھالے رہو تم اے مرے پیارے دلبر

۷۴

جب سُنی باپ کی عابد نے یہ پُر درد صدا
ہو کے بے ہوش وہ پھر خاک پہ بیمار گرا
حکم میں سبطِ پیمبر کے بھلا دخل تھا کیا
اُن کی مرضی بھی حقیقت میں تھی خالق کی رضا
نسلِ عابد سے جو ہوتی نہ امامت قائم
خلق میں رہتی نہ اللہ کی حجّت قائم

۷۵

غش ہوئے یہ تو ادھر چھڑ گئی واں رن میں جدال
آ گیا تین شب و روز کے پیاسے کو جلال
کھینچ کر تیغ بڑھا جب اسد اللہ کا لال
بھاگے روباہ صفت ڈر کے عدو مثلِ شغال
داغ دل پر جو بہتّر کے لیئے شیر بڑھا
کشتوں پر کشتے گرے لاشوں کا اک ڈھیر بڑھا

۷۶

تین حملے وہ کیئے جن سے ہوا حشر بپا
سامنے جب نہ ٹھہر پائے تو بھاگے اعدا
نہ چلا زور تو پھر مکر سے یوں کام لیا
جیسے صفّین میں دی شیرِ الٰہی کو دغا
جان بخشی کی صدا مل کے سبھی دینے لگے
آپ کو واسطۂ روحِ نبیؐ دینے لگے

۷۷

رحم طلبی کی سُنیں جبکہ صدائیں پیہم
رُک گیا ہاتھ نبی زادے کا اللہ رے کرم
پونچھ کر خون رکھی میان میں شمشیرِ دو دم
اور فرمایا یہ اعدا سے کہ اے اہلِ ستم
دی اماں ہم نے نہ اب خوف لڑائی کا کرو
اعتراف آلِ محمدؐ کی بڑائی کا کرو

۷۸

واسطہ روحِ محمدؐ کا جو تم دیتے نہ آج
شام اور کوفے کی سب بستیاں ہوتیں تاراج
لیتا اِس تیغ کا عالم سے ہیں تحسیں کا خراج
مٹتے اِس طور سے تم جس کا نہ تھا کوئی علاج
لَو ہے خالق سے لگی عصر کا ہنگام ہے اب
جُز خدا مجھ کو کسی اور سے کیا کام ہے اب

۷۹

محو تھے یادِ الٰہی میں اِدھر تو شبیرؑ
چار سُو آ گئی حضرت کے جو پھر فوجِ شریر
ختم ہونے بھی نہ پائی تھی یہ شہ کی تقریر
مارا نیزہ کسی ظالم نے کسی نے شمشیر
حشر آثار ہوا قہر جو برپا رَن میں
چھا گئی تیرگیٔ ظلم ہر اک جا رَن میں

۸۰

اُٹھی آندھی جو سیہ لگ گیا سورج کو گہن
آنکھوں سے خلق کی پوشیدہ ہوا چرخِ کہن
ٹھہری اک لمحہ نہ پھر خیمے میں حضرت کی بہن
چل دی میداں کی طرف دوڑتی وہ سوختہ تن
راہِ میداں میں جو مقتل سے ہوا آتی تھی
کان میں ہائے حُسینا کی صدا آتی تھی

۸۱

پہونچی مقتل میں تو یہ حشر وہاں تھا برپا
شمر خنجر لئے تھا سینۂ اقدس پہ چڑھا
ہو رہا تھا سرِ مظلوم کا سر تن سے جُدا
آ رہی تھی وہیں اک بی بی کے رونے کی صَدا

آہ دیکھا بھی بہن نے تو یہ نقشہ دیکھا
جلتی ریتی پہ پڑا بھائی کا لاشہ دیکھا

۸۲

ہو کے دو زانو قریں لاش کے بیٹھیں زینبؑ
شدتِ غم میں مگر روئیں نہ تڑپیں زینبؑ
کی نظر سُوئے فلک اور یہ بولیں زینبؑ
عرض یہ کرتی ہے یا رب تری غمگیں زینبؑ

تری سرکار میں ہدیہ میرے مولا ہو قبول
آلِ احمدؐ کی یہ قربانئ عظمیٰ ہو قبول

۸۳

یہی قربانی ہوئی وجہ بقائے اسلام
تا ابد زندہ و تابندہ محمدؐ کا ہے نام
ملتِ مسلمہ کا بن گیا بگڑا ہوا کام
یہ سحر وہ ہے نہیں جس کے عقب میں کوئی شام
حفظِ ناموسِ شریعت کی علامت ہے یہی
حشر میں بخششِ اُمّت کی ضمانت ہے یہی

۸۴

روک اب خامۂ گوشیدؔ کہ نہ ہو طول گراں
اہلِ فن اہلِ نظر بیٹھے ہیں مجلس میں یہاں
پُر کشش ہے ترا ہر چند کہ اندازِ بیاں
صاحبِ علم نہ دیں داد تو پھر لُطف کہاں
بس دُعا یہ ہے کہ محنت کا ثمر مجھ کو ملے
فضلِ شبیرؑ سے فردوس میں گھر مجھ کو ملے

ڈاکٹر اسد اریب

اب نئے آذر اٹھیں شعر کے بُت خانے سے

نئے مرثیے کے اُفق بہت روشن ہیں۔ وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ "بعد انیس مرثیے کو نئی تخلیق کی راہیں مسدود ہو گئیں" درست نہیں کہتے۔ نئے مرثیے کا سفر انیس کے بعد اپنی سر و سامانی کے ساتھ جاری و ساری ہے۔ "علی علامؑ" بھی مرثیے کے اسی نئے سفر کی ایک منزل ہے۔

"علی علامؑ" کی پہلی خصوصیت تو یہ کہ مرثیے کی روایت میں "مسدس" نظم نے جس انداز سے جنم لیا، یہ مسدس اس روایت کی مکمل معنویت کا حامل ہے مرثیے میں عنوان (موضوعاتی تسمیہ) کی رسم مرثیے کو مسدس کے قریب لائی ہے۔ چنانچہ خود اس مسدس کا موضوع "علی علامؑ" اپنے معانی و مطالب اور اندرونی مضامین کے اعتبار سے اپنے عنوان کے ساتھ ہم آہنگ ہے۔ یہ ہم آہنگی معنوی طور پر مرثیے کی نئی شعری روایت کا ایک ایسا خاصہ ہے جس پر اس عہد کا نقاد ہر مسدس مرثیے (مسدس جدید) کو پرکھتا ہے۔

دوسرا امتیاز اس مرثیے کا اس کی تنظیم خیالات ہے۔ یہ مرثیہ ایک ایسی تنظیم خیالات کا عمل ہے جو شاعری میں مکمل ابلاغ کی ضمانت کہلاتا ہے۔ جہاں تک اس بحث کا تعلق ہے کہ "اظہار" ابلاغ کی تکمیل کے بغیر بے مصرف ہے، یہ بحث بہت عرصے سے ہماری تنقید کا موضوع چلی آ رہی ہے۔ میری ذاتی رائے یہ ہے کہ ابلاغ بے شک ہنر کے لئے ایک بڑی کامیابی کا نام ہے لیکن "اظہار" ایسا بھی

کم درجہ وصفِ ہُنر نہیں کہ اُسے ہم بالکل نظر انداز کر دیں۔ لفظ حرف ترکیبیں، تشبیہیں، استعارے، کنائے، یہ سب ذریعہ اظہار ہیں۔ یہ سب چیزیں کسی بھی ادبی اور شعری تجربے کی اساس ہیں۔ انہیں محض اس لئے کم درجہ قرار نہیں دیا جا سکتا کہ یہ منزل نہیں، سفر منزل نہیں، چنانچہ "اظہار" کے حُسن اور پیمانۂ اظہار کے ان خارجی عوامل کے پس منظر میں، "علی علّام" ایک مکمل معیار کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس مسدّس کی زبانی مرثیے کی شعری روایت ہے۔ مکمل طور پر مربوط ہے۔

یہاں میں اس مربوط اور مسلسل روایت کی چند مثالیں لکھنا چاہتا ہوں۔

۱۔ بیتوں کا مُردّف ہونا:

اچھے مرثیے کی پہچان یہ رہی ہے کہ اس کی ٹیپ (مسدس کے بند کا وہ آخری شعر جو معنوی تکملہ بھی ہوتا ہے) کے دونوں مصرعے محض قافیے پر ختم نہیں ہو جاتے۔ ہر قافیے کے ساتھ ردیف کا لانا مؤثر سمجھا جاتا ہے۔ "علی علّام" کی یہ تمام بیتیں اس حسن سے عبارت ہیں۔

ظن و تخمین و تعیّن سے بری ہے اللہ
جو ہمیشہ سے ہے واللہ وہی ہے اللہ

جس کی تقدیم سے باطل کا کلیجہ شق ہے
اس کو جس نام سے موسوم کرو وہ حق ہے

شانِ حق جس میں ہو وہ راہنما ہوتا ہے
وہ خدا سے نہ خدا اس سے جدا ہوتا ہے

نور و ظلمت کا کہاں پایہ برابر ہوگا
کون مشرک کسی معصوم کا ہمسر ہوگا

۲:۔ مرثیے کو مرویات سے آراستہ کرنا

قدیم اردو مرثیے کی یہ ایک ایسی روایت ہے جو کسی بھی مرثیے کو روایت کی کڑی سے مربوط و مسلسل کرتی ہے۔ شاعر مرثیے کے مضامین (یا کسی ایک مضمون) کو قوّت بہم پہنچانے اور تاثیر فراہم کرنے کے لئے کسی مشہور واقعے، معجزے یا فضیلت شخصی کو بطور روایت بیان کرتا ہے۔ اس مرثیے میں بھی انار والی روایت انہی معنوں میں بیان ہوئی ہے، مگر محض واقعے کے طور پر نہیں۔ اس واقعہ سے استنباط نتائج اور تاکید اخلاق کی راہیں بھی نکالی ہیں۔

یہ شرف جن کے ہوں کب اُن کے برابر ہے کوئی
افضلیّت میں بھلا اِن کا بھی ہمسر ہے کوئی
دین اسلام میں اس طرح کا رہبر ہے کوئی
جز علی کہیے اگر نفس پیغمبر ہے کوئی
یہ حقیقت ہے کوئی۔ جدّت تخیّل نہیں
بعد احمدؐ کے علیؑ کی کوئی تمثیل نہیں

۳:۔ آخر کلام میں خود کلامی اور مخاطبۂ ذاتی کے ساتھ مرثیے کے اظہار خیال پر بند باندھنا

جب مرثیہ نگار، مرثیہ ختم کرنا چاہتا ہے، اور اس کے خاتمے کے تمام معنوی تقاضے پورے کر لیتا ہے تب وہ خود اپنے آپ سے مخاطب ہو کر کہتا ہے، بس طول کلام ہو چکا، آل مجلس ہِل چُکا، اب آگے کہنے کی کچھ بھی ہمّت نہیں، یا یہ کہ، گریہ غم

سے مجلس بے حال ہوئی جاتی ہے۔ اے شاعر (بہ اشارہ تخلص) اپنا قلم روک، مرثیے کی تکمیل خیال پر علی علاّم ہیں، یہ روایت بھی اپنے کمال اظہار کے ساتھ موجود ہے

آگے اب کیا کہوں شبیدا کہ نہیں تاب مقال
ہوا برعکس پیغمبر کی ہدایت کا مآل
مجھ کو حاصل ہے جو اسلاف سے غمخواری آل
اپنے مولا سے بصد عجز ہے یہ ایک سوال
قربِ سرکار ملے رُتبۂ معراج ملے
مدحتِ آلِ محمّد کا مجھے تاج ملے

۴: دُعا پر خاتمہ بالخیر کرنا

اُردو کا کوئی مرثیہ ایسا نہیں جو خاتمہ دعا پر مکمل نہ ہوتا ہو۔ "علی علاّم" کے شاعر نے بھی اس مضبوط روایت کی پاسداری کی ہے۔

"عَلی علاّم" میں مرثیے کی ان روایتوں کی موجودگی خود کہتی ہے کہ یہ مرثیہ، مرثیہ ہے، نئے تنقیدی لہجے کے اعتبار سے مسدس نہیں۔ لیکن میرا استدلال یہ ہے کہ یہ شعری تجربہ ان معنوں میں مسدس ہے کہ اس کی زبان نئی اور اس کا چہرہ جدید بلکہ جدید تر ہے۔ زبان کا نیا ہونا یہ ہے کہ وہ مرثیے کی مخصوص اور معیّن ہیئت سے آزاد ہے۔ اس زبان میں نثری لہجے کی عمومیت اور مکالماتی تاثیر ہے۔ یہ مرثیہ ایک ایسی زبان میں لکھا گیا ہے، جو عام پڑھے لکھے آدمی کی دسترس میں ہو، اس میں علمی اصطلاحوں کا انبار نہیں ہے۔ منطق و معانی کی بلند پروازیوں اور حکیمانہ فصاحت کی نکتہ ریزیوں سے یہ بالکل پاک صاف ہے یہ ایک ایسے سادہ، دلنشیں اور موثر اظہار کا قالب ہے جو چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی

سے بڑی، ہر فہم کے قریب تر معلوم ہوتا ہے اور پھر یہ کہ چہرہ اس کا ایسے خیالات سے عبارت ہے جو محض نئے مرثیے کی خصوصیت قرار پاتا ہے۔ اس چہرے میں باغ راغ، فضا ہوا، رنج وراحت، عطا اور سخا نعلی، طلب اور دعا کے مضامین کی بجائے نغمۂ توحید کی صدا ملتی ہے۔ معرفت الٰہی، وحدت اور وحدانیت، تکوین اور خلق، ندامت اور لزوم کے ایسے موضوعات ہیں، جو ہمارے روایتی مرثیے کی سرشت میں شامل نہیں تھے۔ اس اعتبار سے یہ شعری تجربہ ایک کامیاب مسدس کہلایا جاسکتا ہے۔

مجھے کامل یقین ہے، اس مرثیے کے شاعر نے نئے عہد کے تقاضوں کو سمجھ لیا ہے۔ اور یہ اسی سمجھداری کا نتیجہ ہے کہ سارے مرثیے میں کسی ایک مقام پر بھی مرثیے کے مضامین کو تتبع سے مخصوص نہیں ہونے دیا۔ اور کسی جگہ بھی کوئی ایسا معمولی سا اشارہ بھی نہیں کیا۔ جو دین شریعت یا تفقہ کے کسی بھی اعتبار سے عصبیت یا تنگ نظری کی گرفت میں آسکتا ہے۔ ہمارے زمانے کا خطیب اور عالم بھی اے کاش "علی علام" کے شاعر سے رواداری، مفاہمت اور احترام آدمیت کا یہ سبق لے سکتا؟

میں بڑے وثوق سے کہہ سکتا ہوں، یہ تخلیق جدید اردو مرثیے کی روایت میں ایک قابل قدر اضافہ ہے۔ اس مرثیے سے نہ صرف مرثیے کی روایت آگے بڑھے گی اردو کی نئی شاعری اور نظم جدید کو ایک نیا آہنگ بھی میسر آئے گا۔ جناب شہداز یدی کے ان پانچ نو تصنیف مرثیوں (بالخصوص علی علام) کا یہ امتیاز بھی قابل ذکر ہے۔ کہ انہیں ملتان کی سرزمین پر تخلیق کیا گیا۔ کراچی، لاہور، پنڈی اور دیگر شہروں کے مقابلے میں شاعری اور ادب کے تخلیقی اعتبار سے سرزمین ملتان کے جہاں اور اعزاز ہیں وہاں ایک یہ بھی ہے کہ جناب شہداز یدی کے یہ پانچوں نو تصنیف مرثیے

سرائیکی مرثیے کے قدیم ترین مسکن (علاقہ ملتان) کے دوران قیام ہی لکھے گئے ہیں شاعر کو اس کاوش پر ہدیۂ تبریک کا اہل اور احترامات فائقہ کا حقدار جانتا ہوں۔

۱

کامل و اکمل و اعلیٰ و علی ہے معبود
سرِّ امکانِ خفی اور جلی ہے معبود
دونوں عالم کی ولایت کا ولی ہے معبود
حُسنِ بے مثل ہے نُورِ ازلی ہے معبود
ظنّ و تخمین و تعیّن سے بری ہے اللہ
جو ہمیشہ سے ہے واللہ وہی ہے اللہ

۲

جس کی قدرت کا نمایاں ہے زمانے میں کمال
لم یزل ذات ہے وہ جس کو نہیں کوئی زوال
رہتا اک حد پہ ہے ہر ہستیٔ فانی کا خیال
حرفِ آخر نہیں ہوتا کسی انساں کا مقال
مُنہ سے جو کچھ بھی بیاں کوئی جہاں کرتا ہے
وہیں اک دوسرا تردیدِ بیاں کرتا ہے

۳

کون ہو سکتا ہے اللہ کی قدرت میں شریک

جو بھی ہے قادرِ مطلق کی ہے یہ سب تحریک

بھٹکیں کیوں اُس کے تجسّس میں خیالاتِ رکیک

احدیّت میں نہیں اس کی مناسب تشکیک

عالَم منظم و نسق نذر تلاطم ہوتا

دو خدا ہوتے تو آپس میں تصادم ہوتا

۴

ہے وہی خالقِ کونین حکیمِ مطلق

جس کی حکمت کے مظاہر ہیں ثریا و شفق

اُس کی صناعی کا ملتا ہے ہر اک شے سے سبق

تابعِ حکم اُسی ذات کے ہیں چودہ طبق

دیکھتا سب کو ہے تنویرِ بصارت ہے وہ

قائم پلّہ میزانِ عدالت ہے وہ

۵

ذات ہے اس کی مراد اور زمانہ ہے مرید

اس کے تابع ہے ہر اک عہد قدیم اور جدید

ہے عطا اس کی بشر کے لئے یہ گفت و شنید

کوئی مجبوری نہیں جس کو وہ ایسا ہے وحید

مالکِ کون و مکاں جو ہے وہی تو رب ہے

ہو جو مجبور تو مختارِ دو عالم کب ہے

۶

صادق الوعد ہے وہ خالق یکتا ہے وہی

فعل بے معنیٰ سے واللہ مُبرا ہے وہی

قادر و عالم و مدرک ہے ہمیشہ ہے وہی

حیّ و قیوم ہے وہ عالم و دانا ہے وہی

جس کی تقدیم سے باطل کا کلیجہ شق ہے

اس کو جس نام سے موسوم کرو وہ حق ہے

۷

ربط و ترکیبِ عناصر سے مرکّب نہیں حق

ذاتِ حق وہ ہے کہ جس میں نہیں شرکت کی رمق

گھٹتا بڑھتا بھی نہیں ہے نورِ الٰہی مطلق

وہ ثبات ایسا کہ منہ اس سے تغیر کا ہے فق

سُن لے یہ بات بھی وحدت کی زبانی کوئی

اُس کی پیری ہے نہ طفلی نہ جوانی کوئی

۸

ہوتا آمیزشِ اجزا کا اگر وہ مظہر

لفظِ خلّاق کا مصداق نہ ہوتا داور

ہر جگہ پر ہے وہ موجود خدائے برتر

دیکھنے سے جو نہیں آتا نگاہوں کو نظر

ہے وہ نادیدہ مگر نورِ صداقت ہے وہ

ہے مرکّب سے بری صاحبِ وحدت ہے وہ

۹

پوری ہوتی ہے اسی سے تو جہاں کی حاجت

لامکاں وہ ہے نہیں جس کو مکاں کی حاجت

اضطراری ہے فقط اہلِ زباں کی حاجت

خود جو محتاج نہ ہو اس کو کہاں کی حاجت

غور کیجے تو تفکّر بھی وہ محدود نہیں

احتیاج اُس کو اگر ہو تو وہ معبود نہیں

۱۰

اپنے اوصاف میں ہے ایک ہی ذاتِ واجب

وصفِ ذاتی ہیں وہی جو ہیں صفاتِ واجب

کس نے خالق کے سوا پایا ثباتِ واجب

جس نے بخشی ہے حقیقت کو حیاتِ واجب

کُل کا خلّاق ہے کونین سے اعلیٰ ہے وہ

پاک ہر عیب سے جو ہے وہی یکتا ہے وہ

۱۱

احتیاجی نہیں جب ذاتِ خدائے کونین
کس لئے پھر یہ بنے کہیے بنائے کونین
آپ دیتی ہے جواب اس کا صدائے کونین
سُنیے یوں ہوتی ہے مقبول دعائے کونین
تھا حقیقت میں تقاضا بھی یہی فطرت کا
امتحاں اُس کو جو منظور ہوا خلقت کا

۱۲

آزمانے کے لئے سب کو بنایا اس نے
آزمائش کی حقیقت کو دکھایا اس نے
وجہ یہ تھی کہ دو عالم کو سجایا اُس نے
اپنی قدرت کا ثمر آپ ہی پایا اس نے
اولاً نورِ الٰہی سے ہویدا جو ہوئی
نور کی ایک وہ مخلوق تھی پیدا جو ہوئی

۱۳

نُورِ حق ہیں سے ہوا روحِ صداقت کا ظہور
وجہ سے جس کی ہوئی بزمِ دوعالم پُر نور
عالم الغیب کے منشائے جلی کا وہ شعور
خُلق سے جس کے ملا مردہ دلوں کو بھی سُرور
شانِ حق جس میں ہو وہ راہنما ہوتا ہے
وہ خدا سے نہ خدا اس سے جُدا ہوتا ہے

۱۴

سب سے پہلے جو ہوا خلق وہ محبوبِ کریم
چودہ حصّوں میں ہوا نورِ مبارک تقسیم
جن کی تنویر و تجلّی سے سجا عرشِ عظیم
حشر تک زندہ جہاں میں ہے انہیں کی تعلیم
ذکرِ اعلیٰ ہے محمدؐ کا علیؑ نائب ہے
ان کا قایم بھی ہے موجود مگر غائب ہے

۱۵

بعدِ معبود ہراک مدح کے لائق ہے وہ

منزلِ نور ہے جس رُتبے پر فائق ہے وہ

طلبِ حق ہے جسے اُن کا بھی شائق ہے وہ

ان کا نائب جو ہے کشافِ دقائق ہے وہ

ایسے ہادی کی نیابت کوئی آسان نہیں

یہ الگ بات ہے دنیا کو یہ عرفان نہیں

۱۶

یہ سبب تھا کہ ہوئے خلق وہ چودہ معصوم

جن کی خلقت سے نمایاں ہوا حق کا مفہوم

خود ہی شاہد ہے پیمبرؐ کی حدیثِ مرقوم

تھا یہی امرِ اہم روزِ ازل سے مقسوم

کیونکہ کرنا تھا زمانے میں ولی کو پیدا

نُور سے میرے کیا حق نے علیؑ کو پیدا

۱۷

ہوئے اس نور سے پھر گیارہ آئمّہ پُر نور
خلقتِ اوّلِ کونین کا ہے یہ مذکور
حق نے بخشا جنہیں تحریمِ عبادت کا شعور
کس کو ہو سکتا ہے توصیف کا اُن کی مقدور
سب سے افضل ہیں دو عالم میں تو برتر ہیں وہی
نُورِ معبود کے پرتو سے منوّر ہیں وہی

۱۸

بے کنہ جو نہ ہو کب خلق سے بہتر ہے وہ
پاک جو رجس سے ہو ہادی و رہبر ہے وہ
شرک آلود جو منکر ہے تو ابتر ہے وہ
حاملِ خیر نہیں کیونکہ فقط شر ہے وہ
نُور و ظلمت کا کہاں پایہ برابر ہوگا
کون مشرک کسی معصوم کا ہمسر ہوگا

۱۹

مَیں نہیں کہتا یہ کہتی ہے کتابِ اللہ

علمِ قرآن کا قرآن ہی ہے آپ گواہ

شہر گر علمِ خدا کے ہیں رسولؐ ذی جاہ

تو ائمہؑ بھی ہیں آفاق میں سب بابِ پناہ

ایک کے بعد جو اک چہرہ کشا ہوتا ہے

کعبۂ حق کا وہی قبلہ نما ہوتا ہے

۲۰

جزوِ تنویرِ محمدؐ ہے جو وہ نور ہے کون

جلوۂ علمِ خداداد سے معمور ہے کون

ذکرِ معبود کی تسبیح کا مذکور ہے کون

ہادیٔ کون و مکاں ناصر و منصور ہے کون

سُن کے نام اُس کا جہالت کا کلیجہ شق ہے

جو کہ پیدا ہوا کعبہ میں وہی برحق ہے

۲۱

ہاں وہی اوّل و اعلیٰ ہے علیؑ علاّم
جو محمدؐ کے سوا کون و مکاں کا ہے امام
نورِ آغاز ہے وہ اور وہ ضیائے انجام
ہوگیا اس پہ بھی معبود کا سب فضل تمام
ہادیٔ کون و مکاں عقدہ کُشا باقی ہے
اُس کی ہی نسل سے اک راہنما باقی ہے

۲۲

قوتِ بازوئے پیغمبرِ داور ہے علیؑ
مردِ میدانِ وغا فاتحِ خیبر ہے علیؑ
حاملِ مرضیٔ اللہ و پیمبر ہے علیؑ
بنتِ شاہنشہِ کونین کا شوہر ہے علیؑ
حق کے محبوب کا عم زاد برادر ہے وہ
شان کہتی ہے ہر اک خلق سے بہتر ہے وہ

۲۳

نازشِ عہدِ رسالت ہے وہی زوجِ بتولؑ
جس کے گلزار کے حسنینؑ ہیں گویا دو پھول
رحمتِ حق کا ہوا جبکہ زمانے میں نزول
کرلیا بڑھ کے صداقت نے اُسے آپ قبول
یوں کہیں رازِ مشیت تو ہویدا نہ ہوا
جز علیؑ اور کوئی کعبہ میں پیدا نہ ہوا

۲۴

اوّلِ آلِ عبا قدرتِ داور ہیں علیؑ
بخدا ہادی و منصور و مظفر ہیں علیؑ
بعدِ اللہ و نبیؐ سب سے ہی برتر ہیں علیؑ
شاہِ مرداں ہیں علمدارِ پیمبر ہیں علیؑ
دوش پر آکے جو حیدرؑ کے یہ رفعت پائی
عَلَمِ لشکرِ اسلام نے عزت پائی

۲۵

عمر بھر نانِ جویں کھا کے بسر کی شہ نے
طاعتِ حق میں ہر اک شب کی سحر کی شہ نے
کیا کہے کوئی کہ کس طرح گذر کی شہ نے
مہر و اُلفت کی غریبوں پہ نظر کی شہ نے

خندقیں کفر کی مولا ہی نے پاٹیں ساری
راتیں تکبیر میں تسبیح میں کاٹیں ساری

۲۶

پاس جو کچھ ہوا محتاجوں کو بخشا وہ مال
نہ کیا آپ نے اپنے کبھی فاقوں کا خیال
کی جو برداشت علیؑ نے وہ ریاضت ہے محال
تھا ہر اک حال میں یہ فیض و سخاوت کا کمال

درِ حیدرؑ سے گیا پھر کے نہ سائل کوئی
اِن کا ہو کر نہ ہوا غیر پہ مائل کوئی

۲۷

واقعہ سیرتِ مولا کا ہے اک یوں بھی رقم
آنکھیں کچھ کرب سے زہراؑ کی تھیں اک دن پُرنم
لائے تشریف جو نہی گھر میں علیؑ عالم
پوچھا کیا حال ہے اے بنتِ شہنشاہِ اُمم
صدمہ وہ کیا ہے کہ بے چین جو یوں ہوتی ہو
مجھ کو بتلاؤ تو کیوں جانِ حزیں کھوتی ہو

۲۸

سُن کے ارشاد یہ شوہر کا نبی کی دختر
عرض کرنے لگیں اے بادشہِ جن و بشر
گو کہ ہوں ضعف و نقاہت سے بہت ہی مضطر
حالِ حضرت کی بھی لیکن ہے مجھے خوب خبر
طبعِ اقدس نہ پریشاں ہوئیں گھبراتی ہوں
کیفیت اپنی سُناتے ہوئے شرماتی ہوں

۲۹

ہر گھڑی دل میں اسی بات کا رہتا ہے خیال
پاس کچھ رکھتے نہیں آپ تو کیا میرا سوال
رنج ہو گا مجھے خود ہو گا جو حضرت کو ملال
غم سے ہوتی ہے اگر جان تو ہو جائے نڈھال
دھیان جس کا ہے وہی صورتِ تسکیں دیکھوں
اپنی آنکھوں سے نہ تکلیفِ شہ دیں دیکھوں

۳۰

خدمتِ شاہ میں جب کر چکیں یہ عرض بتولؑ
روح صدمے سے ہوئی نفسِ پیمبر کی ملول
حق کو تھا اپنے دلی کا نہ مگر رنج قبول
پھر تو فرمانے لگے آپ کہ اے بنتِ رسولؐ
پاس عسرت کا مرِی آپ کو ہے گو بی بی
کبھی ظاہر تو کوئی خواہشِ دل ہو بی بی

۳۱

آپ کو پیارے ہیں اے بنتِ نبیؐ گر حسنین

دے کے اُن کی ہی قسم کہتا ہوں اے قلب کا چین

پرتوِ نورِ خدا تم ہو ضیائے کونین

ذاتِ عاجز سے بھی بی بی کا ادا ہو کچھ دَین

شکوہ ناداری کا لب پر نہ کبھی آیا ہے

حق سے جو مانگا ہے ہنگامِ دعا پایا ہے

۳۲

بولے اصرار پہ حیدرؑ کے یہ بولیں زہراؑ

تپ سے ہے ضعف و نقاہت مجھے کچھ آج سوا

میرے آزار کا کیا جانیے انجام ہو کیا

میری خواہش ہے کہ مل جائے سکوں مجھ کو ذرا

ہیں مُصر آپ جو تکلیف اٹھانے کے لئے

مجھ کو مطلوب انار ایک ہے کھانے کے لئے

۳۳

سُن کے یہ حال چلے جانبِ بازار حضور

ایک پھل کے متلاشی ہوئے خود شاہ غیور

جبرِ عُسرت سے تھے آقائے زمن گو مجبور

پوری کرنی تھی مگر خواہشِ زہراؑ بھی ضرور

جستجو سے جو پتہ پھل کا لگایا شہ نے

گھر سے تب ایک یہودی کے وہ پایا شہ نے

۳۴

اس کی قیمت اُسے کچھ دے نہ سکے شاہِ انام

ایسے نادار تھے اس وقت دو عالم کے امام

سمجھا ناداریِ حضرت کو جو وہ خوش انجام

جوڑ کر ہاتھوں کو مولا سے کیا اس نے کلام

یاعلیؑ آپ کا اِک چاکرِ ماضی ہوں میں

قرض لے جائیں یہ پھل اس پہ بھی راضی ہوں میں

۳۵

دے چکا قرض جو حضرت کو یہودی وہ انار

رُخ پہ مولا کے نمایاں تھے خوشی کے آثار

جانبِ خانہ پھرے جب تو یہ دیکھا اک بار

کوئی مفلس ہے پڑا راہ میں اور ہے بیمار

شدّتِ کرب سے ہر لحظہ جو تھراتا ہے

اپنا ہمدرد کسی کو وہ نہیں پاتا ہے

۳۶

ذاتِ عالیٔ علیؑ تھی جو دو عالم میں کریم

دیکھ کر حال یہ اس کا ہوا دل غم سے دو نیم

نہ دوا اس کو میسّر ہے نہ بستر نہ گلیم

عالمِ یاس میں بیماری سے حالت ہے سقیم

رک گئے راہ میں گھر کو نہ وہ ذیجاہ گئے

دل جو بھر آیا تو پاس اُسکے شہنشاہ گئے

۴۷

پوچھا کیا حال ہے اے بیکس و نادار و غریب
کون پرساں ہے نہ غمخوار نہ درماں نہ طبیب
کس طرح کٹتی ہیں گھڑیاں تری اے زشت نصیب
کچھ خبر بھی کوئی لیتا ہے تری آ کے قریب
دل سے ہر لحظہ دم سرد جو بھرتا ہے تو
رنج وہ کیا ہے کہ جس رنج سے مرتا ہے تو

۴۸

کچھ تو بتلا مجھے اے خلق سے جانے والے
کیا ہوئے سب ترا دکھ درد بٹانے والے
کام آتے نہیں کیوں کام کے آنے والے
جو کہ ہوتے ہیں رفیقوں کو بچانے والے
حیف تیرا نہ مددگار و معیں ہے کوئی
آشنا عالم غربت کا نہیں ہے کوئی

۳۹

منہ بُرے وقت سے احباب پھرا لیتے ہیں

جانِ افکارِ مصائب سے بچا لیتے ہیں

نہ تو دیتے ہیں سہارا نہ دُعا لیتے ہیں

جن پہ پڑتی ہے وہ خود سر پہ اٹھا لیتے ہیں

بگڑی قسمت کا کسے ساتھ نبھاتے دیکھا

غیر کیا اپنوں کو بھی آنکھیں چراتے دیکھا

۴۰

مگر ایسے بھی زمانے میں ہیں کچھ بندۂ رب

عیشِ دُنیا سے جنہیں کوئی نہیں ہے مطلب

دیکھ سکتے نہیں آنکھوں سے کسی کا جو تعب

ڈھونڈتے پھرتے ہیں محروموں کی کُلفت کا سبب

سببِ آزارِ فلاکت کا جو مل جاتا ہے

مرضِ جسم سے بیمار شفا پاتا ہے!

۴۱

غم سے تو گھُٹتا ہے کیوں طبع کو کاہش کیا ہے

آنسوؤں کی تری آنکھوں سے یہ بارش کیا ہے

کیوں بدن کانپتا ہے باعثِ لرزش کیا ہے

کچھ تو کہہ منہ سے ترے دل کی وہ خواہش کیا ہے

مطلبِ دل کے بیاں کرنے سے حیران نہ ہو

دیکھ حاضر ہوں میں تو اور پریشان نہ ہو

۴۲

جب سُنی اس نے محبت سے بھری یہ آواز

کچھ نہ سمجھا مگر اس بندہ نوازی کا جواز

کھول کر آنکھیں جو دیکھا تو کھُلا اس پہ یہ راز

کوئی بیمار کی بالیں پہ کھڑا ہے دم ساز

منہ سے کلماتِ تسلّی جو وہ فرماتا ہے

خُلق سے اپنے ملائک کو بھی شرماتا ہے

۴۳

دیکھا حضرت کو جب اُس نے کہ ہیں اس درجہ شفیق

عرض کی جوڑ کے ہاتھوں کو کہ اے مردِ رفیق

تیرے حالات کی مجھ کو نہیں گو کچھ تحقیق

تو نے دکھلایا مگر لطف و مروت کا طریق

پوچھتا کیا ہے کہ کس واسطے مرتا ہوں میں

کس اذیت میں ہوں کیوں جان سے گذرتا ہوں میں

۴۴

قطرۂ آبِ خنک میں جو نہیں پاتا ہوں

آگ سینے میں لگی ہے تو جلا جاتا ہوں

خشک ہونٹوں کی تمنّا تجھے بتلاتا ہوں

بخدا تشنہ دہانی سے میں گھبراتا ہوں

تپشِ سوزِ جگر کی وہ بھڑک ہے تن میں

آگ جس طرح سُلگتی ہے کسی گلخن میں

۴۵

اینٹھی جاتی ہے زباں خشک جسد ہے بھائی
کوئی پرساں نہیں اور وقتِ مدد ہے بھائی
جیسے دنیا کو مری ذات سے کَد ہے بھائی
حامی زلیست فقط ربِّ صمد ہے بھائی

اک انار ایسی صعوبت میں اگر پاؤں میں
پیاس کے صدمے سے کچھ دیر مفر پاؤں میں

۴۶

کر چکا خواہشِ دل اپنی جو ظاہر بیمار
کاٹ کر نصف اُسے دیدیا شہ نے وہ انار
اُس کے کھانے سے ملا دل کو جو تھوڑا سا قرار
عرض کرنے لگا حضرت سے وہ پھر زار و نزار

اک ذرا طبع نے تسکین تو پائی لیکن
آرزو پوری نہ عاجز کی بر آئی لیکن

۴۷

بخدا ایسا ہے کچھ پیاس کی شدّت کا وفور

کچھ بیاں کر نہیں سکتا ہے یہ عاجز رنجور

بخشا آزارِ طبیعت میں سکوں اس نے ضرور

چاہتا ہوں کہ ملے اور بھی سامانِ سرور

جان بچ جائے بس اَب تو کسی صورت میری

دل ٹھہر جائے سنبھل جائے طبیعت میری

۴۸

عیش و عشرت کا نہ دل میں کوئی ارمان رہے

ذکرِ حق لب پہ ہو ہر لحظہ یہی دھیان رہے

اس سے بڑھ کر نہیں کچھ اور جو ایمان رہے

زندگی پاؤں نئی آپ کا احسان رہے

یہ کرم کم ہے کہ اک ہستیٔ انسان بچے

آپ کی بخششوں سے آج میری جان بچے

۴۹

جب ہوا اور بھی اس امر میں اصرارِ مریض

پھر تو حضرت سے نہ دیکھا گیا آزارِ مریض

باقی پھل بھی دیا حضرتؑ نے پئے کارِ مریض

بدلی کھانے سے جسے [illegible]تِ دشوارِ مریض

الغرض اُس کی بری ضیق سے جب جان ہوئی

تب کہیں جا کے علیؑ کی اُسے پہچان ہوئی

۵۰

کلفتِ تشنہ لبی جب ہوئی بیمار کی کم

اُٹھ کے بس چوم لیے اس نے شہ دیں کے قدم

اور کی عرض کہ اے صاحبِ اعجاز و کرم

آپ کی ذات سے ہے عظمتِ انساں کا بھرم

زندگی مجھ کو نئے سر سے جو ہاتھ آئی ہے

بخدا آپ نے خالق کی صفت پائی ہے

۵۱

کہہ کے یہ آپ سے رخصت ہوا وہ کر کے سلام
گھر کی جانب چلے پھر واں سے دو عالم کے امام
دل کو یہ فکر تھی لاحق کہ ہیں لوٹا ناکام
حیف فرمائشِ زہراؑ کا ہوا یہ انجام
کہتے تھے بنتِ پیمبرؑ سے خجل ہونا ہے
معذرت خواہی کو آمادہ بدل ہونا ہے

۵۲

داخلِ خانہ ہوا جب وہ امامِ برحق
نظر آیا. وہاں انعامِ قدیرِ مطلق
فاطمہ بیٹھی ہیں بشاش نہ تھا کچھ بھی قلق
سامنے رکھا تھا بی.بی کے اناروں کا طبق
ماجرا شانِ الہٰی کا نظر آتا تھا
دلِ کلفت زدہ مسرور ہوا جاتا تھا

۵۳

گھر کے ہر گوشے میں پھیلی تھی جو خوشبوئے جناں
شرفِ بنتِ پیمبر تھا قرائن سے عیاں
دیکھے جب قدرتِ معبود کے یہ سب ساماں
ایسے میں رہ سکے خاموش نہ مولائے زماں

پوچھا رُتبہ جو سوا حُورِ جناں سے پایا
کچھ تو فرمائیے تحفہ یہ کہاں سے پایا

۵۴

خندہ پیشانی سے زہراؑ نے کہا یہ کہ جناب
سب یہ ہے آپ کے ایثار و ترحّم کا ثواب
آپ سے اپنی میں تعریف کروں کب ہے یہ تاب
جانتا ہے فقط اس راز کو ربّ الارباب

اجنبی شخص کوئی در پہ مرے آیا تھا
اُس نے یہ تحفہ حضرت مجھے پہنچایا تھا

۵۵

دے کے آواز وہ حسنینؑ کو مردِ دیندار

کہتا تھا لیجئے بھیجے ہیں علیؑ نے یہ انار

سن کے یہ مژدہ گئے ڈیوڑھی پہ شہ کے دلدار

اور لے آئے طبق اُس سے یہ وہ آخرِ کار

آپ گھر میں جو نہ تھے میں نے نہیں چکھے ہیں

سامنے آپ کے سب پھل یہ وہی رکھے ہیں

۵۶

سُن چکے فاطمہؑ سے جب کہ یہ پُرلطف سخن

سمجھے اُس رازِ مشیت کو شہنشاہِ زمن

یعنی خالق کو پسند آگیا وہ فعلِ حسن

جس کے انعام کی خاطر کئے یہ حق نے جتن

دے کے بیمار کو اک پھل یہ صلہ پایا ہے

باغِ جنت سے ملک لے کے طبق آیا ہے

۵۷

پھر مخاطب ہوئے زہراؑ سے وہ مولائے رحیم
آپ کی ذاتِ مطہر پہ ہے کیا لطفِ کریم
کرتے ہیں جس کے مراتب کی دو عالم تعظیم
کیوں نہ ہو آپ پہ یوں بخششِ نعماتِ نعیم
کوئی کیا سمجھے کسی سِرِّ نہاں کی منزل
زینتِ عرش ہے خاتونِ جناں کی منزل

۵۸

اجنبی شخص نہ تھا در پہ وہ اے بنتِ رسول
خواہشِ فاطمہؑ کی خالقِ اکبر نے قبول
تھا مشیت کو یہ منظور کہ دل ہو نہ ملول
حق نے بھیجا وہ اناروں کا طبق بہرِ بتول
ماسوا اللہ کسی کا یہ کبھی طور نہیں
لانے والا بھی فرشتہ تھا کوئی اور نہیں

۵۹

یہ شرف جن کے ہوں کب اُنکے برابر ہے کوئی

افضلیت میں بھلا ان کا بھی ہمسر ہے کوئی

دینِ اسلام میں اس طرح کا رہبر ہے کوئی

جُز علیؑ کہیے اگر نفسِ پیمبر ہے کوئی

یہ حقیقت ہے کوئی جدّتِ تخیّل نہیں

بعد احمدؐ کے علیؑ کی کوئی تمثیل نہیں

۶۰

یہ سخاوت یہ مروّت یہ وفا تھی کس میں

حُسنِ تنویرِ محمّدؐ کی ضیا تھی کس میں

خلق میں عقدہ کشائی کی ادا تھی کس میں

کوئی کہہ دے تو بھلا شانِ خدا تھی کس میں

اک صفت ذات میں اس کی بھی ہے یکتائی کی

اس کی چوکھٹ پہ ملائک نے جبیں سائی کی

۶۱

کعبے کو حق نے زچہ خانہ بنایا کس کا
نازِ خلّاقِ دو عالم نے اٹھایا کس کا
عرش سے اونچا تھا اعزاز یہ پایا کس کا
لہجہ معراج کی شب حق نے سنایا کس کا

وحیٔ حق جب کہ پیمبر کے لئے لاتے تھے
مل کے کس ذات سے جبریل امیں جاتے تھے

۶۲

کب شرف مثلِ علیؑ اور کسی نے پائے
اور لوگوں کو یہ رُتبے نہ کبھی ہاتھ آئے
چاہا جس چیز کو جنّت سے فرشتے لائے
رہ کے دنیا میں بھی فردوس کے میوے کھائے

اُن کی عظمت کا تھا وہ رُعب کہ تھراتا تھا
گھر میں بے اِذن ملک بھی نہ کبھی آتا تھا

۶۳

مرتبے سب سے سوا حق نے علیؑ کو جو دیئے
کام بھی آپ نے اس دہر میں ایسے ہی کیے
خلق نے شفقت و احسان کے جام ان سے پیئے
جاوداں زندگی دیں رہے اس طرح جیئے
اپنی آغوش میں احمدؐ نے انہیں پالا تھا
بول مولائے دو عالم کا سدا بالا تھا

۶۴

کون تھا عالم امکاں میں علیؑ سا ابرار
دے دیا جس نے کہ سب راہِ خدا میں گھر بار
دین کے واسطے کی نذرِ خزاں اپنی بہار
تھی گوارا نہ کسی کی بھی مصیبت زنہار
کب تھا ہستی میں کوئی ایسا سوائے مولا
کام اغیار کے بھی خلق میں آئے مولا

۶۵

عُقدے کس کس کے نہ مشکل ہیں کیے آپ نے حل
مشرک و ملحد و کافر بھی بنے نیک عمل
اہلِ باطل کے دماغوں سے نکالا جو خلل
نہ رہا مجمعِ کفار میں باقی کس بَل
نقش اوہام پرستی کا مٹایا دل سے
کامراں حق ہوا کچھ بن نہ پڑا باطل سے

۶۶

کوچ فرما ہوتے آفاق سے جس وقت رسولؐ
رنج فرقت سے پدر کی ہوئیں غمگین بتولؑ
باز آئی نہ شقاوت سے مگر قوم جہول
بی بی کے دُکھتے ہوئے دل کو کیا اور ملول
ظالموں نے نہ لحاظِ شہ لولاک کیا
پردہ جو پاس ادب کا تھا اسے چاک کیا

۶۷

بعد اس کے جو ہوا وہ بھی زمانے کو ہے یاد
کوئی باقی نہ رہی آلِ نبیؐ پر بیداد
کب سُنی فاطمہؑ بی بی کی کسی نے فریاد
ہر قدم پڑتی تھی افتاد پہ تازہ افتاد
شوہرِ بنتِ پیمبر کو ستایا کہ نہیں
گھر بھی اس بی بی کا اعدا نے جلایا کہ نہیں

۶۸

رات کو چین سے اُس بی بی کو سونے نہ دیا
غمِ فرقت میں پدر کے اُسے رونے نہ دیا
دامنِ پاک کو اشکوں سے بھگونے نہ دیا
پورا ارمان دِلی کوئی بھی ہونے نہ دیا
چاکِ غم ہاتھوں سے اپنے جو نہ سینے پائیں
باپ کے بعد تو کچھ دن بھی نہ جینے پائیں

۶۹

رہ گیا داغِ پدر دل میں وہ مظلومؑ اٹھیں
اسی اندوہ میں آفاق سے مغمومؑ اٹھیں
حرفِ تسکین و تسلّی سے بھی محرومؑ اٹھیں
غُل ہوا چار طرف خلق سے معصومؑ اٹھیں
آرزو بھی جو ملاقاتِ پدر کی دل میں
موت کی راہ سے جا پہنچیں اُسی منزل میں

۷۰

اُٹھ گئیں خلق سے جب بنتِ رسولِ اکرم
دل ہوا فرقتِ زہراؑ میں علیؑ کا پُر غم
رنج بچوں کی یتیمی کا وہ عالم کے ستم
صبر سے سارے الم سہتے رہے شاہِ اُمم
رشتۂ خُلق و مروّت تو سبھی توڑتے تھے
آپ اس پر بھی نہ اُن لوگوں سے منہ موڑتے تھے

۷۱

جائے انصاف ہے اب غور کریں صاحبِ دل
جس کے باعث ہو شرف نوعِ بشر کو حاصل
اُس کے رتبے کو سمجھ کر بھی نہ سمجھیں جاہل
اُف یہ بے رحمی و بیدردئ اہلِ باطل

حالتِ صوم میں ہو جبکہ جبیں سجدے میں
قتل مولا کو کرے ایک لعیں سجدے میں

۷۲

زہر سے ٹکڑے ہوا حضرتِ شبّر کا جگر
اور خنجر سے جُدا ہو گیا شبّیر کا سر
اس پہ بھی درپئے آزار رہے بانئ شر
شکلِ انساں میں وہ خونخوار تھے حیوان بکھیر

ننھے بچوں پہ بھی کچھ رحم نہیں کھاتے تھے
ظلم پر ظلم غریبوں پہ کئے جاتے تھے

۷۳

خلق میں جس کے پدر کے ہوں ہر اک پر احساں

دشت غربت میں وہ مظلوم ہو پیاسا بے جاں

مفتخر ذات پہ ہو جس کی خدائے دو جہاں

اُس کی ہی آل پہ ہو جور و جفا بے پایاں

خیمۂ عترتِ اطہار ستم گار جلائیں

مسندِ احمدؐ مختار ستم گار جلائیں

۷۴

وہ نبی زادیاں تھا جن کا فرشتوں میں وقار

ہوں بصد جبر رسن بستہ وہ اونٹوں پہ سوار

تازیانوں سے ستمگار انہیں دیں آزار

چادریں بھی حرم پاک کی لیں سر سے اُتار

قابلِ رحم نہ کیا آلِ شہ بطحا تھی

کیا مسلمانو یہی بات تمہیں زیبا تھی

۷۵

گوشۂ امن زمانے میں دل افگار نہ پائیں
بیٹیاں فاطمہؑ کی مجلس ہیخوار ہیں جائیں
ناز برداریوں کو جن کی ملک عرش سے آئیں
صدمۂ ذلّت و تحقیر وہ مظلوم اٹھائیں
جن کی توصیف ہے قرآں کے سی پاروں میں
ان کی تشہیر ہوئی شام کے بازاروں میں

۷۶

کتنی احسان فراموش ہے دنیا افسوس
تھا یہی بندہ نوازی کا صلہ کیا افسوس
وہ علیؑ خلق کو تھا جس کا سہارا افسوس
کنبہ اس کا بڑی آفت میں گھرا تھا افسوس
مشکلوں کا نہ حرم جب کوئی حل پاتے تھے
یاد بے ساختہ اس وقت علیؑ آتے تھے

۶۶

آگے اب کیا کہوں شیدا کہ نہیں تابِ مقال
ہوا برعکس پیمبر کی ہدایت کا مآل
مجھ کو حاصل ہے جو اسلاف سے غمخواری آل
اپنے مولا سے بصد عجز ہے یہ ایک سوال
قربِ سرکار ملے رتبۂ معراج ملے
مدحتِ آلِ محمدؐ کا مجھے تاج ملے

حسین سحر

احسنِ تقویم

عہدِ حاضر کا مرثیہ ہمارے قدیم روائتی مرثیے سے اس لئے بھی ایک امتیاز رکھتا ہے کہ اس کا مقصد صرف گریہ و بکا پیدا کرنا ہی نہیں بلکہ اپنے سامعین اور قارئین میں ایک ایسا شعور بیدار کرنا ہے جو آج کے خلائی دَور کا تقاضہ ہے اس شعور میں روحِ عصر کا مکمل ادراک شامل ہے، چنانچہ جدید مرثیہ فنی اور فکری لحاظ سے ہماری شاعری میں ایک ایسا مقام رکھتا ہے جو دوسری اصناف کو حاصل نہیں، مرثیہ آج بھی ہمارے تہذیبی اور علمی ارتقاء کا ایک حصہ ہے۔ اسی لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ دورِ حاضر اُردو مرثیے کا دورِ احیاء ہے۔

جدید مرثیے کے خدو خال کو اجاگر کرنے میں جن شعراء نے نمایاں حصہ لیا ہے ان میں جوشؔ، آلِ رضا، جمیل مظہری۔ ڈاکٹر صفدر حسین، شاہد نقوی، آغا سکندر مہدی امید فاضلی اور شبیہ احسن زیدی کے نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ شبیہ احسن زیدی اس لحاظ سے ان میں ایک خصوصیت رکھتے ہیں کہ انہوں نے جہاں اردو مرثیے کی پانچ سو سالہ قدیم روایت کا گہری نظر سے مطالعہ کیا ہے وہاں اس صنف کو جدید دور کے تناظر میں بھی دیکھنے کی کوشش کی ہے چنانچہ ان کے مرثیوں میں قدیم جدید کی تمام تر صفات بیک وقت محسوس کی جاسکتی ہیں۔ انہوں نے اب تک کل پانچ مرثیے کہے ہیں اور ان تمام فنی شہپاروں میں وہ فکر و فن کی اس بلندی پر فائز نظر آتے ہیں جو انہی سے مخصوص ہے۔

جدید مرثیے میں جہاں روائتی عناصرِ ترکیبی کی مکمل پابندی نہیں کی جاتی۔ وہاں مرثیے کے چہرے کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس لئے کہ آج کا شاعر چہرے سے صرف کربلا کے پس منظر کا کام ہی نہیں لیتا۔ بلکہ اس کے وسیلے سے علم و فن اور فکر و احساس کے ایسے ایسے نکتے بیان کرتا ہے کہ مرثیہ تہذیبِ فکر و شعور کا فریضہ انجام دیتا نظر آتا ہے۔ اور یہی اس کی سب سے بڑی خصوصیت ہے۔

"احسنِ تقویم" شید احسن زیدی کا پانچواں مرثیہ ہے۔ اس لئے اس میں وہ تمام صفات و محاسن مکمل صورت میں نظر آتے ہیں جو ان کے مراثی کا طرۂ امتیاز ہیں۔ اس مرثیے کا موضوع وہ عظیم انسان ہے۔ جو بجا طور پر "احسنِ تقویم" اور "اشرفِ خلائق" کے القاب کے شایانِ شان ہے۔ یعنی حسین علیہ السلام۔ زیدی صاحب کا THESIS یہ ہے کہ خالقِ کائنات نے جب انسان کو پیدا کیا۔ تو اسے احسنِ تقویم اور اشرف المخلوقات کے القاب سے نوازا۔ انبیاء کرام اور ائمہ علیہم السلام پوری کائنات میں احسنِ تقویم کی شان کے سب سے زیادہ مظہر ہیں جنہوں نے مختلف آزمائشوں میں اپنے اس اعزاز کا دفاع کیا۔ لیکن حسین علیہ السلام نے اپنی اور اپنے رفقاء و اعزاء کی بے مثال قربانی سے یہ ثابت کر دکھایا کہ وہ بجا طور پر احسنِ تقویم اور اشرفِ خلائق ہیں۔

مرثیے کا چہرہ ایک فکر انگیز آغاز کی صورت میں ہے۔ جس میں کچھ ایسے مستقل سوال اٹھائے گئے ہیں جو ازل سے انسان کے ذہن میں ابھرتے رہے ہیں اور جو اس لحاظ سے بہت معنی خیز ہیں کہ ان میں مقصدِ کائنات کی طرف اشارہ ملتا ہے۔

دہر فانی میں یہ ہستی کا تماشا کیا ہے؟
روح اور جسم کا آپس میں یہ رشتہ کیا ہے؟
عشق کہتے ہیں کسے حسن کا جلوہ کیا ہے؟
مقصدِ خلق کا آخر یہ معمّہ کیا ہے؟
کس کے ہونے کا نہ ہونے کا گماں ہوتا ہے؟
کچھ عیاں ہوتا ہے کچھ راز نہاں ہوتا ہے

حقیقت تک رسائی حاصل کرنے کے لئے شاعر اپنے آپ سے سوال کرتا ہے۔

اپنے ہی آپ سے پوچھی جو کبھی میں نے یہ بات
جب نہ خالق تھا کوئی کیسے بنی پھر تری ذات؟
کس کی قدرت نے تجھے بخشی ہے یہ روح حیات؟
کس کے ہے قبضۂ قدرت میں حیات اور ممات؟
بدلی ہستی میں تغیّر سے تری خو کیوں کر؟
کیوں ہوا اور مٹا ہو کے بھلا تو کیوں کر؟

پھر اپنے سوال کا اسے آپ ہی ایک منطقی جواب مل جاتا ہے۔

ہو نہ واضع تو کوئی وضع کو پائے کیونکر
بے محرک کوئی تحریک چلائے کیونکر
خلق کے طور کو بے طور دکھائے کیونکر
گر مصور نہ ہو تو شکل بنائے کیونکر
گُل جو گلشن میں یہ سب شام و سحر کھلتے ہیں
خلق کو قدرتِ خلاق سے پھل ملتے ہیں

صنعتِ شئے ہی سے صانع کا پتہ ملتا ہے

جستجو شرط ہے ڈھونڈے سے خدا ملتا ہے

"جستجو شرط ہے ڈھونڈے سے خدا ملتا ہے" کہہ کر شاعر نے سارا معمہ حل کر دیا اور خالقِ کائنات کے اثباتِ وجود کی دلیل بھی پیش کر دی۔ فلسفۂ حیات کے ساتھ ساتھ اب فلسفۂ موت اُسے اُلجھاتا ہے

کچھ نہ میں سمجھا عناصر کا یہ کیسا ہے عدم؟

کیوں نہیں رکتے ہیں رفتارِ تخیل کے قدم؟

دم میں دم آیا جو آفاق میں آیا کوئی دم

اور جب دہر سے جانے لگا جانے کا تھا غم

سرخرو ہو کے کبھی ہو کے خجل جاتے ہیں

خاک کے پتلے سبھی خاک میں مل جاتے ہیں

موت آتی ہے تو رہتا ہے حواس اور نہ ہوش

جسمِ مردہ کو لئے جاتے ہیں سب دوش بدوش

جاتا رہتا ہے طبیعت کا سبھی جوش و خروش

زیست کی آخری منزل ہے لحد کی آغوش

چڑھ کے اونچائی پہ دیکھا نہ گیا کس کا اتار؟

نشہ ہستی کا نہیں وہ کہ نہیں جس کا اُتار

لیکن یہ اُلجھن بھی جلد دور ہو جاتی ہے جب وہ خالقِ کائنات کے علمِ غیب اور قدرتِ کاملہ کا اندازہ کرتا ہے۔ جو تمام عالمِ خشک و تر کو محیط ہے۔

کرسی و عرش و ملائک ہوں کہ ہوں جن و بشر
ذاتِ خالق کو ہے ارواح دو عالم کی خبر
آمد و شد پہ اسی ذات کی رہتی ہے نظر
عالمِ غیب کے ہے علم میں سب نفع و ضرر

شکلِ ظاہر کے تکلف سے بری ہے وہ ذات
خالقِ عالم خشکی و تری ہے وہ ذات

اس کے ہی قبضے میں ہے سارے جہاں کا مقسوم
وہی خلاقِ دو عالم ہے وہی ہے قیوم
جو نہیں جانتا کوئی وہ اسے ہے معلوم
گر وجود اس کا نہیں پھر تو ہے سب کچھ معدوم

ہے تغیرّ کے تغیرّ ہی سے تصدیق ہے یہ
اس کے ہونے ہی سے کونین کی تخلیق ہے یہ

تخلیقِ آدمؑ سے پہلے عرش پر نورِ محمدیؐ کا ظہور ہوا۔ تو خالقِ کائنات نے تخلیقِ کائنات کی طرف توجہ فرمائی۔ اور آخر میں تخلیقِ آدمؑ کا مرحلہ آتا ہے۔

دے چکا نظمِ خلائق کو جو خالق ترتیب
ٹھہرے سب اپنے مقاموں پہ امورِ تہذیب
پھر تخلیق نمایاں ہوئی جس دم تقریب
سامنے سب کی نگاہوں کے تھی اک شکل عجیب

ایک نائب کی جو عالم میں جگہ خالی تھی
اشرفِ خلق کے پتلے کی بنا ڈالی تھی

حکمِ معبود ہوا پھر تو پئے روحِ امیں
یعنی پرواز کریں چرخ سے وہ سوئے زمیں
مٹھی اک خاک سے بھر لائیں جو وہ سدرہ نشیں
قدر سے مٹی کی ہو جائے گا ہر شے کا یقین

پتلا آدم کا اسی خاک سے تیار جو ہو
ہاتھ آ جائے مشیت کو وہ درکار جو ہو

روح الامیں حکمِ خالق کی تعمیل کرتے ہوتے خاک کو آدمؑ کی تخلیق کے لئے آبِ کوثر سے پاک کرتے ہیں۔

ہر کثافت کو الگ کوثری جوہر سے کیا
خوب شفاف مکدر کو منور سے کیا
آبِ خالص سے کیا آبِ معطر سے کیا
پاک مٹی کو غرض آپؑ نے کوثر سے کیا

نہ رہا فرض اطاعت سے ادھورا یہ بھی
حکمِ مالک سے ہوا دوسرا پورا یہ بھی

حکمِ الٰہی سے جب آدم کا پتلا تیار ہوا۔ تو اس پتلے میں امرِ ربی کی روح پھونکی گئی۔ اور اس مرحلے پر جب خالقِ کائنات نے فرشتوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ میں آدم کی شکل میں زمین پر اپنا خلیفہ اور نائب بنانا چاہتا ہوں تو فرشتوں نے کہا کہ اے خالق! یہ تیرا خلیفہ زمین پر خون بہائے گا۔ ہم جو تیری حمد و تسبیح کے لئے موجود ہیں۔ پھر بھلا اس کی کیا ضرورت ہے؟ تو خالق نے کہا میں جو کچھ جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔ پھر ذاتِ باری نے آدمؑ کو کچھ نام تعلیم فرمائے اور جب فرشتوں سے ان اسماء کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے اپنے

عجز کا اقرار کیا۔ آدم کے اس تفوّق پر فرشتوں کو سجدۂ تعظیمی ادا کرنے کا حکم ہوا تو تمام فرشتوں نے آدم کو سجدہ کیا۔ لیکن ابلیس نے انکار کیا تو ہمیشہ کے لئے ملعون قرار پایا۔ آدم کی شرافت اور عظمت کا سبب چہاردہ معصومین کے اسماء سے آگاہی تھا۔ اور انہی کا نوران کی جبیں پر چمکتا تھا ؎

تھی جھلک جن کی وہ اللہ کے پیارے تھے کون ؟
جو ضیا بار جبیں پر تھے وہ تارے تھے کون ؟

یہ وہ ذواتِ مقدسہ ہیں جو محبوب خالق محمدؐ کے بھی محبوب ہیں۔ اور آدمؑ کے بعد تمام انبیاء علیہم السلام کی آزمائشوں میں انہی ذواتِ اطہر کے اسماء گرامی نے مدد فرمائی۔ آزمائشوں کے اس سلسلے میں کربلا کا مرحلہ آتا ہے ؎

سچ ہے خالی نہ رہا ظلم و ستم سے کوئی دور
کربلا میں جو ہوا اس کا تھا کچھ اور ہی طور

یہیں سے مرثیے میں خوبصورت گریز آتا ہے۔ حضرت امام حسینؑ کی ابتلاء و آزمائش کا ذکر ان پُراثر الفاظ میں ملتا ہے۔

کس نے اک دن میں بہتّر کے اٹھائے لاشے
کیا بیاں اس کا ہو کس حال میں پائے لاشے
ڈھونڈ کر دشت سے شبّیر جو لائے لاشے
یوں کسی گھر میں کہیں اور نہ آئے لاشے

ان میں جب یکہ و تنہا شہِ ذیجاہ ہوا
ہو کے مجروح فدا حق پہ حق آگاہ ہوا

اور آخر میں "احسنِ تقویم" اور "اشرفِ خلائق" کی شہادت کا بیان کس قدر پُراثر اور جامع اسلوب میں بیان کیا گیا ہے۔

سارے انصار و اعزا تھے شہادت میں شریک
ساتھ مولا کے تھے تحصیل سعادت میں شریک
دینِ برحق سے وفا جن کی تھی طینت میں شریک
تھے وہ ناموسِ شریعت کی حفاظت میں شریک

کیونکہ آدم کی شرافت کا بھرم رکھنا تھا
اونچا انساں کی فضیلت کا علم رکھنا تھا

کربلا میں جب عظمتِ انسانی کے جوہر کھلتے ہیں تو جہاں فرشتوں کو احسنِ تقویم کا راز معلوم ہوتا ہے۔ وہاں انسان کے زندۂ جاوید ہونے کا بھی اعلان ہوتا ہے۔ ؎

حق کا ہر حال میں جو تابعِ فرمان ہوا
مر کے بھی زندۂ جاوید وہ انسان ہوا

اور یوں شہادتِ حسینؑ سے شرفِ انسانیت کی تکمیل ہوتی ہے۔ یہی "احسنِ تقویم" اور اشرفِ خلائق کا منصبِ جلیلہ ہے۔ جس پر حسینؑ ایسا عظیم انسان فائز ہے۔

۹۰ بند کے اس شاہکار مرثیے میں شہید احسن زیدی نے جہاں فصاحت کی اعلیٰ اقدار کو قائم رکھا ہے۔ وہاں بلاغت کے بلند معیار کو بھی برقرار رکھا ہے فنی لحاظ سے ان کے مرثیے جہاں چراغِ "انیس" کی روشنی سے منور ہیں، وہاں فکری لحاظ سے وہ گلشنِ دبیر کی خوشبو سے معطر نظر آتے ہیں فلسفہ و حکمت ان کا مزاج اور تاریخ کا گہرا شعور ان کی روح ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کے شعری تناظر میں ان کے مرثیے فکر و فن کے ایسے دل نشیں پیکر ہیں۔ جن میں زبان کی قدرت بھی ہے اور بیان کی وسعت بھی لہجے کی شیرینی بھی ہے اور اسلوب کی تازگی بھی۔ اور یہی ان کا امتیاز ہے ''

۱

دہرِ فانی میں یہ ہستی کا تماشا کیا ہے
روح اور جسم کا آپس میں یہ رشتہ کیا ہے
عشق کہتے ہیں کسے حُسن کا جلوہ کیا ہے
مقصدِ خلق کا آخر یہ معمّہ کیا ہے

کس کے ہونے کا نہ ہونے کا گمان ہوتا ہے
کچھ عیاں ہوتا ہے کچھ راز نہاں ہوتا ہے

۲

مادّی جسم میں جذباتِ مجازی کی ترنگ
زیست میں رکھتی ہے ہر طرح کی خواہش کی اُمنگ
یاس و امید کے چلتے ہی جو رہتے ہیں خدنگ
روح رہتی ہے سدا اس کے تصوّر ہی سے تنگ

دم جو گھٹتا ہے پریشانیٔ جاں ہوتی ہے
کوئی تصویر عیاں کوئی نہاں ہوتی ہے

۳

حاصلِ زیست ہے گو لطفِ قیامِ امید
آرزو دیتی ہے یہ بڑھ کے پیامِ امید
پھانس لے گا تجھے پھندے ہیں جو دامِ امید
آپ سے آپ تو پالے گا مقامِ امید
کون سی بات تجھے خلق میں سکھلاتی ہے
شکلِ امید جو بن بن کے بگڑ جاتی ہے

۴

آپ اگر غور کریں سُن کے یہ پیغامِ عجب
کُھل ہی جائے گا کسی طرح حقیقت کا سبب
خلقتِ خلق کا انداز بہ ایں شور و شغب
جس کا ہونا بھی نہیں دہر میں کچھ بے مطلب
ہستی و نیستی فطرت کی جو تم پاؤ گے
دونوں شکلوں سے زمانے کو سمجھ جاؤ گے

۵

یعنی ان دونوں میں ہے رازِ حقیقت مستور
اپنے خالق کی حقیقت میں ہے خلقت مستور
خلق ہوتا ہے کوئی ہوتی ہے فطرت مستور
ہو نہ منسوب تو پھر کس لئے نسبت مستور

امر موضوعہ کے عاشق بھی ہیں معشوق بھی ہیں
ان میں کچھ ایسے ہیں جو صورتِ مخلوق بھی ہیں

۶

جدّتِ خلق طبیعت سے ہویدا ہے مدام
ہو کے پیدا جو زمانے کا دکھاتی ہے نظام
دورِ عالم میں کبھی صبح ہے یاں اور کبھی شام
بیقراری کو کسی لحظہ ملا کب آرام

دم بدم گردشِ سیّار عیاں ہوتی ہے
دن کے ہونے سے شبِ تار نہاں ہوتی ہے

۷

آتشِ مہر نے حدّت جو کسی سے پائی

گرمی در روشنی عالم کو بہم پہنچائی

دیکھی جب ماہ دو ہفتہ کی جہاں آرائی

پھر تو فطرت نے مجھے رمز یہی سمجھائی

خنکیِ نُور جو آفاق میں پھیلاتا ہے

فیضِ قدرت ہے جسے خلق میں یہ پاتا ہے

۸

عقلِ انساں سے بھی ہوتی ہے یہ حکمت ظاہر

کہ ہے دل ماننے سے اس کے جہاں میں قاصر

بزمِ امکاں کا بھی اک ہے خیالِ نادر

نقشِ موجود دکھاتا ہے وجودِ قادر

کُھلتی ہیں بننے بنانے سے صفاتِ واجب

خالقِ کُل ہے کوئی اور ہی ذاتِ واجب

۹

اپنے ہی آپ سے پوچھی جو کبھی میں نے یہ بات

جب نہ خالق تھا کوئی کیسے بنی پھر تری ذات

کس کی قدرت نے تجھے بخشی ہے یہ روحِ حیات

کس کے ہے قبضۂ قدرت میں حیات اور ممات

بدلی ہستی ہیں تغیّر سے تری خو کیوں کر

کیوں ہوا اور مٹا ہو کے جلا تو کیوں کر

۱۰

کرتا ہوں اب میں فقیہانِ زمانہ سے سوال

منقلب ہوتے ہیں اس دہر کے کیوں یہ افعال

ایک حالت پہ نہیں رہتی ہے کیوں شکلِ ہلال

مہر نے پایا ہے کیسا یہ عروج اور زوال

نقش بر آب یہ کیوں خلق کی تصویریں ہیں

بے مدبّر کے تغیّر کی جو تدبیریں ہیں

۱۱

ہو نہ واضع تو کوئی وضع کو پائے کیونکر
بے محرّک کوئی تحریک چلائے کیونکر
خلق کے طور کو بے طور دکھائے کیونکر
گر مصوّر نہ ہو تو شکل بنائے کیونکر
گُل جو گلشن میں یہ سب شام و سحر کھلتے ہیں
خلق کو قدرتِ خلّاق سے پھل ملتے ہیں

۱۲

صاف ظاہر ہے ہر ایک شے کی بناوٹ کا طریق
امرِ خالق سے ہے لاریب جہاں کی تخلیق
منظرِ حق پہ اگر پہنچے نگاہِ تحقیق
اہلِ حرفہ کی یہ حرفت ہی کرے خود تصدیق
صنعتِ شئے ہی سے صانع کا پتہ ملتا ہے
جستجو شرط ہے ڈھونڈے سے خدا ملتا ہے'

۱۳

نگہِ فکر کو کچھ اور مگر اب ہے تلاش
یہ تو میں سمجھا کہ یک لحظہ بھی بیکار مباش
جسم کے رہتی نہیں ہستی کی تراش اور خراش
ختم ہو جاتی ہے دو دن ہی میں تحصیلِ معاش
کچھ نتیجہ کبھی قسمت کا نہ معلوم ہوا
آج ظاہر جو ہوا کل کو وہ معدوم ہوا

۱۴

کچھ نہ میں سمجھا عناصر کا یہ کیسا ہے عدم
کیوں نہیں رکتے ہیں رفتارِ تخیّل کے قدم
دم میں دم آیا جو آفاق میں آیا کوئی دم
اور جب دہر سے جانے لگا جانے کا تھا غم
سرخرو ہو کے کبھی ہو کے خجل جاتے ہیں
خاک کے پتلے سبھی خاک میں رل جاتے ہیں

۱۵

موت آتی ہے تو رہتا ہے حواس اور نہ ہوش،
جسمِ مردہ کو لئے جاتے ہیں سب دوش بدوش
جاتا رہتا ہے طبیعت کا سبھی جوش و خروش
زیست کی آخری منزل ہے لحد کی آغوش
چڑھ کے اونچائی پہ دیکھا نہ گیا کس کا اُتار
نشّہ ہستی کا نہیں وہ کہ نہیں جس کا اُتار

۱۶

جبکہ فانی ہے عناصر کا ہر اک تارِ لباس
رُوح کو ہوتا ہے کچھ اور ہی اُس دم وسواس
کیوں ہے ادراک و تجسس کا طبیعت کو قیاس
خود جو ہوتی ہے کبھی خوش تو کبھی آپ اُداس
خواہشِ نفس جو ہے اس کو وہ پہچانتی ہے
اپنی ہستی کو مگر خود وہ نہیں جانتی ہے

۱۷

کوئی بتلائے تو بخشی ہے یہ کس نے تمیز
جس نے محسوس کی اجزائے جہاں کی ہر چیز
جسم باریک ہو ذی روح کا یا ہو وہ دبیز
مادّی شے ہے جو ہے روح کی نسبت سے عزیز
فکر کو عقل و خرد کا ہی اک رستہ ہے
جسم کی نشو و نما روح سے پیوستہ ہے

۱۸

ورنہ پایا ہے عناصر نے کہاں کوئی شعور
روح سے چلتے ہیں سب عالم امکاں کے امور
بھید کو جس کے نہیں پاتا جہاں کا دستور
پھر ممیّز کے سمجھنے ہیں کرے کیوں نہ قصور
فہم جب اپنی ہی ادراک سے خود قاصر ہے
مُدرکِ روح ہے اک ذات کہ جو قادر ہے۔

۱۹

کرسی و عرش و ملائک ہوں کہ ہوں جن و بشر
ذاتِ خالق کو ہے ارواحِ دو عالم کی خبر
آمد و شد پہ اُسی ذات کی رہتی ہے نظر
عالمِ غیب کے ہے علم میں سب نفع و ضرر
شکلِ ظاہر کے تکلّف سے بری ہے وہ ذات
خالقِ عالمِ خشکی و تری ہے وہ ذات

۲۰

اُس کے ہی قبضے میں ہے سارے جہاں کا مقسوم
وہی خلّاقِ دو عالم ہے وہی ہے قیوم
جو نہیں جانتا کوئی وہ اُسے ہے معلوم
گر وجود اُس کا نہیں پھر تو ہے سب کچھ معدوم
ہے تغیّر کے تغیّر ہی سے تصدیق ہے یہ
اس کے ہونے ہی سے کونین کی تخلیق ہے یہ

۲۱

احتیاجی ہے مگر سارے عناصر کی کشش
رونما ہوتی ہے جس کے لئے یہ تاب ورش
مٹ نہیں سکتی بہرحال طبیعت کی خلش
ہر قدم عالمِ امکاں کی یہی تو ہے روش
بدلی بدلی ہوئی جب آب و ہوا رہتی ہے
ایک کی ایک کو حاجت تو سدا رہتی ہے

۲۲

سلسلہ رکھتے ہیں جب انجم و افلاک ہنوز
گردشیں رہتی ہیں سیاروں کے اجسام کی روز
روشنی دیتا ہے جل جل کے کہیں شمس کا سوز
ہوتے ہیں لوگ شبِ ماہ سے بھی لطف اندوز
وضع کو وضع ہی کی شکل میں بس راحت ہے
اپنی ہر ضد کی ہر اک ضد کو بڑی چاہت ہے

۲۳

اس سے ظاہر ہے کہ ناقص ہے ہر اک شکلِ امور
کس نے پایا ہے کہاں کوئی کمالِ دستور
بندشوں ہی سے ہے وابستہ طبیعت کا شعور
جس کی کیفیتِ حق بینی سے ہے حق کا ظہور
مرتبہ اوّل خلقت کا بہت فائق ہے
بندا مکاں سے بری جو ہے وہی خالق ہے

۲۴

وہ ہو قرآن کہ توراۃ کہ انجیل و زبور
سب کے اوراق پہ آیا ہے یہی اک مذکور
ہو چکا عرش پہ جب نورِ محمدؐ کا ظہور
کُل کی تخلیق ہوئی ربِ علیؑ کو منظور
رتبے اعلیٰ جو رسالت کے بہ تصدیق ہوئے
انبیا نورِ ائمہ ہی سے تخلیق ہوئے

۲۵

تھا یہی عالم ارواح کا تابندہ سبق

ذکرِ ترتیبِ عناصر کا نہ تھا کچھ مطلق

حق کو دکھلانا جو تھا خلق کا عنوانِ ادق

حکم سے اپنے کئے پیدا دو عالم کے طبق

خود ہی اجرامِ سماوی جو سجائے اُس نے

پھر تو یہ ارض و سماوات بنائے اُس نے

۲۶

کرسی و عرش و ملائک ہوں کہ ہوں حور و قصور

امرِ خلّاق دو عالم سے ہوئے سب مامور

بزمِ فردوس کی ضَو اور وہ طوبیٰ کا سرور

نازشِ مایۂ قدرت ہیں پئے عقل و شعور

گرمیِ قہرِ خدا سے جو دہکتے اُٹھے

آتشِ نار کے شعلے بھی لپکتے اُٹھے

۲۷

نخلِ تخلیق پہ قدرت نے لگائے وہ پھل

جس سے قائم ہوا سیاروں کی گردش کا عمل

شمس و مریخ و عطارد ہوں کہ زہرہ کہ زُحل

سب کے سب گردشِ قسمت سے ہیں اب تک بیکل

معرفت حُسنِ حقیقی کی جو درکار ہوئی

روشنی ماہِ دو ہفتہ کی ضیاء بار ہوئی

۲۸

حوضِ کوثر ہو کہ تسنیم ہو یا نہرِ لبن

اپنی زینت سے دکھانے لگے قدرت کا چلن

سج گئے لوح و قلم بن کے طلب گارِ سُخن

حُسنِ قدرت سے نمایاں ہوا سب حُسنِ حسنؑ

کہنہ تخلیق کی تھی گویا ازل کی خُوبی

سطحِ ارضی پہ جو تھی دشت و جبل کی خوبی

۲۹

ذرّے ذرّے سے ہویدا ہوا خالق کا وقار
چھا گیا چار طرف حکمِ خدائے غفّار
آتش و آب و ہوا خاک یہ سارے آثار
حق نمائی کے دساتیر تھے ان کے اطوار
خلق قدرت نے کیا جب کہ شعورِ ہستی
کُھل گئے چشمِ تحیّر پہ اُمورِ ہستی

۳۰

تھا یہ کیفیتِ عرفانِ حقیقت کا عروج
آسمانوں پہ بنے اس کی ہی قدرت کے بُروج
کیسے احکامِ الٰہی سے کرے کوئی خروج
متحرّک کوئی ہو یا کہ ہو کوئی مفلوج
تابعِ امرِ خدا ہے یہ قیامِ تدبیر
اہل گردوں کے لئے ہے یہ مقامِ تدبیر

۳۱

دے چکا نظمِ خلائق کو جو خالق ترتیب

ٹھہرے سب اپنے مقاموں پہ امورِ تہذیب

بہر تخلیق نمایاں ہوئی جس دم تقریب

سامنے سب کی نگاہوں کے تھی اک شکل عجیب

ایک نایب کی جو عالم میں جگہ خالی تھی

اشرف خلق کے پُتلے کی بنا ڈالی تھی

۳۲

حکم معبود ہوا پھر تو پئے روح امیں

یعنی پرواز کریں چرخ سے وہ سوئے زمیں

مٹھی اک خاک سے بھر لائیں جو وہ سدرہ نشیں

قدرے مٹی کی ہو جائے گا ہر شے کا یقیں

پتلا آدم کا اسی خاک سے تیار جو ہو

ہاتھ آجائے مشیّت کو وہ درکار جو ہو

۳۳

سُن کے جبریل یہ فرمانِ خداوند جلیل
چلے اڑتے ہوئے سدرہ سے بہ شوق و تعجیل
تھا یہی دھیان کہ ہو حکمِ خدا کی تعمیل
تاکہ ہو عالمِ اسباب و عِلل کی تکمیل
اعتماد اپنے پہ تھا پورے یقیں پر اترے
کرکے افلاک کو طے روئے زمیں پر اترے

۳۴

امرِ خلاق دو عالم کو بجا لائے جناب
کام جو کرنا تھا اُن کو وہ کیا پورا شتاب
تھا یہی خوف نہ ہو قہرِ الٰہی کا عتاب
کیا خبر اس میں ہے کیا مرضیِ ربّ الارباب
حکمِ خالق سے وہ پھر جانب لولاک پھرے
گئے اور چشم زدن میں وہ لئے خاک پھرے

۳۵

لے کے ہٹی وہ جو ہیں عرش خدا تک پہنچے
عالم الغیب جو تھا اس کی صدا تک پہنچے
فرض پورا کیا طاعت کی ادا تک پہنچے
جہل ہے گر یہ کہوں ربِّ عُلیٰ تک پہنچے
انتہا جس کی نہیں لامتناہی ہے وہ
لامکاں جو ہے فقط ذاتِ الٰہی ہے وہ

۳۶

حکم پھر حق کی مشیّت سے ہلا ان کو یہ اور
آبِ کوثر سے کریں پاک وہ اس کو فی الفور
دیکھا جبریل نے جب مرضیٔ خالق کا یہ طور
سمجھے لاریب یہی خلقتِ انساں کا ہے دور
کر کے پرواز وہاں سے وہ برابر آئے
اک دقیقہ بھی نہ گزرا لب کوثر آئے

۳۷

ہر کثافت کو الگ کوثری جوہر سے کیا

خوب شفاف مکدّر کو منوّر سے کیا

آبِ خالص سے کیا آب مقطّر سے کیا

پاک مٹی کو غرض آپ نے کوثر سے کیا

نہ رہا فرضِ اطاعت سے ادھورا یہ بھی

حکمِ مالک سے ہوا دوسرا پورا یہ بھی

۳۸

آبِ کوثر سے جونہی خاک وہ یوں پاک ہوئی

قدر تب اور ہی کچھ برسرِ افلاک ہوئی

اشرف الخلق نبی قابلِ ادراک ہوئی

لائقِ فخر و مباہات وہی خاک ہوئی

کب ملائک کو بھی اس امر سے اِنکار ہوا

پُتلا آدم کا اسی خاک سے تیار ہوا

۳۹

خلق اس حسن سے جب ہو چکے باہلائے بشر
اپنی صناعی پہ نازاں ہوا ربِّ اکبر
صنفِ نازک کی بھی خلقت کی ضرورت تھی مگر
تاکہ ہو نسل سے آباد زمین تا محشر
قدرت حق کی مزید اور بھی توفیق ہوئی
حوّا کی پہلوئے آدم ہی سے تخلیق ہوئی

۴۰

حکم حق سے ہوا آدم کا جو پتلا تعمیر
کی ملائک سے یہ تب ربِّ علیٰ نے تقریر
امرِ ربّی ہے وہ اک روح جو ہے عرش سریر
وہ ہے اس خاک کے پتلے کی مقرّر تقدیر
پھونک کر اس میں وہی روح اٹھاؤں گا اسے
دہر میں اپنا خلیفہ میں بناؤں گا اسے

۴۱

عرض کی تب یہ فرشتوں نے کہ اے ربِ ودود
کیا تو ایسے کو بنائے گا خلیفہ معبود
جس سے سب خیر کی راہیں ہوں زمیں پر مسدود
اور خونریزی کا بن جائے سبب جس کا وجود
ہم کہاں فتنہ و شر کوئی بپا کرتے ہیں
حمد و تسبیح تری ہم تو سدا کرتے ہیں

۴۲

ناز جب اپنی عبادت پہ فرشتوں نے کیا
تب ہوا اُن سے وہ خلّاقِ دو عالم گویا
کیسا دعویٰ ہے تمہارا یہ بھلا پیشِ خدا
جانتا میں جو ہوں کچھ تم کو نہیں اس کا پتہ
علمِ معبود کی تعلیم سے مقسوم کھُلا
عَلَّمَ آدَمَ الاسماء کا مفہوم کھُلا

۴۳

یعنی کچھ نام کئے حق نے جو اُن کو تعلیم
سیکھے تب حضرت آدم نے وہ اسمائے عظیم
رکھ کے پھر پیشِ ملائک انہیں بولا وہ علیم
تم میں بھی معرفتِ حق کی ہے اتنی تفہیم!
تم اگر سچّوں میں ہو صدق وہ دکھلاؤ تو
جن کے جو نام ہیں وہ سب مجھے بتلاؤ تو

۴۴

سُن چکے جبکہ وہ فرمانِ خدائے غفّار
پھر تو لاعلم لنا کی ہوئی اُن سب میں پکار
عاجزی کرنے لگے اپنی ملائک اظہار
اور علّمتنا کا آیا زباں پر اقرار
سچ تو یہ ہے کہ نہیں کوئی سہیم قدرت
ساری تعریف تری تو ہے علیمِ قدرت

۴۵

پیشِ حق ہو چکا جب عجزِ ملائک کا ظہور
پھر تو آدم کو ملا حکمِ خداوندِ غفور
یعنی سکھلائے وہ اسماء انہیں باحُسنِ شعور
جن کے باعث سے ہوئی بزمِ دو عالم پُرنور
کیا کوئی سمجھے حقیقت کی وہ کیا باتیں تھیں
نام تھے جن کے وہ معصوم عجب ذاتیں تھیں

۴۶

گر کہے کوئی کہ کیا جانے وہ کلمات تھے کیا
لفظِ اسماء ہی سے ملتا ہے جواب اُس کا سدا
نام منسوب تھے اُن ہستیوں سے یاں بخدا
سامنے جن کو ملائک کے خدا نے رکھا
چودہ معصوم کے تھے نام یہی برحق ہے
شک کرے اس میں اگر کوئی تو وہ احمق ہے

۴۷

کیے آدم نے ملائک کو جو اسماء تعلیم
پھر تو واجب ہوئی اُن سب پہ بھی اِن کی تعظیم
تب ندا آئی یہ از جانب خلّاق کریم
ذاتِ خالق ہے دو عالم ہیں علیم اور حکیم
کُل کے ہر ظاہر و باطن کو جو پہچانتا ہے
ذرّے ذرّے کی حقیقت کو وہی جانتا ہے

۴۸

جبکہ فرما چکا اس طرح سے وہ ربِّ عُلیٰ
حکم ہر ایک فرشتے کو پھر اُس نے یہ دیا
مرتبہ دانیٔ آدم کا کریں حق بھی ادا
یعنی اک سجدۂ تعظیم وہ سب لائیں بجا
سمجھی یہ بات ملائک نے ندا کو سُن کر
جھک پڑے سجدے میں سب حکمِ خدا کو سُن کر

۴۹

کی فرشتوں نے اِدھر حکم خدا کی تعمیل
منحرف تھا مگر ابلیس بصد بحث و دلیل
ناز بس اپنی عبادت پہ جو کرتا تھا ذلیل
بولا مغرور وہ یوں پیشِ خداوندِ جلیل
خلقتِ نار ہوں میں غیر کو بہتر سمجھوں
خاک کے پتلے کو کیوں اپنے سے برتر سمجھوں

۵۰

اس جسارت کے وہ انجام سے حیران ہوا
حق کا معتوب وہ ناواقف و نادان ہوا
نام اُسی وقت سے مردود کا شیطان ہوا
خودسَر ایسا تھا کہ نادم نہ پشیمان ہوا
اپنے شر پر جو عزازیل اَڑا ہے اب تک
طوقِ لعنت بھی تو گردن میں پڑا ہے اب تک

۵۱

باعثِ عظمتِ آدم وہ شرافت کیا تھی۔؟

حسن کیا تھا وہ ضیا کیا تھی وہ خلعت کیا تھی۔؟

دبدبہ کیا تھا حشم کیا تھا وہ صولت کیا تھی۔؟

رتبہ داں جن کے ملک تھے وہ حقیقت کیا تھی۔؟

تھی جھلک جن کی وہ اللہ کے پیارے تھے کون۔؟

جو ضیا بار جبیں پر تھے وہ تارے تھے کون۔؟

۵۲

صاف ظاہر ہے کہ یہ چاہتا ہے ربِّ ودود

چودہ معصوموں کے ہیں یہ جو وجودِ ذیجود

اُن پہ واجب ہے سدا وردِ سلام اور درود

جن کی تعظیم ہیں کرتے ہیں ملائک بھی سجود

جو ہیں محبوبِ محمّد وہ حبیبِ رب ہیں

خلق ہیں ایسے بھلا ان کے علاوہ کب ہیں

۵۳

الغرض آدم و حوّا کو ملا حکمِ کریم
جا کے اب دونوں ہی ہوں گلشن جنّت میں مقیم
ساتھ ہی ساتھ یہ فرمائی خدا نے تعلیم
رہو آبادیٔ فردوس میں تم مثلِ شمیم
فکر و اندیشہ و وسواس سے آزاد رہو
رنج و تکلیف کا یاں نام نہیں شاد رہو

۵۴

باغِ جنّت میں مگر ایسا بھی ہے ایک شجر
تم قریب اُس کے نہ جانا یہ رہے پیشِ نظر
تم پہ ممنوع ہے وہ اس کی طلب میں ہے ضرر
اس لئے ہے یہ تقیّد کہ ہو تم پھر بھی بشر
حکم مانا نہ اگر رنج سہو گے دونوں
مُبتلائے غم و اندوہ رہو گے دونوں

۵۵

جبکہ خلاقِ دو عالم کا سُنا یہ پیغام
جاکے جنت میں کیا دونوں نے آخر آرام
مل کے اس طور سے باہم جو لگے رہنے مدام
اسی آغاز میں پوشیدہ تھا کوئی انجام
چھپ کے اک دشمنِ حق کی جو سواری آئی
اشرف الخلق کی تکلیف کی باری آئی

۵۶

پہنچا جب گلشنِ جنت میں وہ شیطان شریر
اُس نے کی جاکے فریب اور دغا کی تدبیر
مکر میں اپنے کیا اُس نے جو حوّا کو اسیر
آخرش ماند پڑا خوبی آدم کا خمیر
مکرِ ابلیس میں پھنس کر جو پریشان ہوئے
ترکِ اُولیٰ ہوا اور آپ پشیمان ہوئے

۵۷

تلخیٔ زیست کا آخر کو مزا پا بھی لیا

اُس شجر کا کوئی پھل آپ نے واں کھا بھی لیا

ہم ہی برتر ہیں جناں والوں سے منوا بھی لیا

اپنی لغزش پہ مگر آپ ہی پچھتا بھی لیا

گو کہ شرمندہ تھے اس کارِ زیاں سے دونوں

حکم رب پھر بھی ملا نکلو جناں سے دونوں

۵۸

کام دکھلا ہی گیا اپنا جو شیطان کا مکر

یہ مسلط رہے گا حشر تلک تم پہ بجبر

دیکھنا ہوتا ہے کیا اشرف مخلوق کا حشر

اُفقِ علم پہ چھانے لگا ہے جہل کا ابر

ہوا آغاز جو شیطاں کی خرافات کا دور

ختم ہونے کا نہیں پھر تو فسادات کا دور

۵۹

لغزشِ حضرتِ آدم کا نتیجہ یہ ہوا
مع حوّا انہیں جنّت سے زمیں پر بھیجا
مختلف جگہوں پہ دونوں کو خدا نے رکھا
فرقتِ خُلد جُدا فرقت حوّا تھی جُدا
بڑھ گیا غم تو کچھ اسماءِ کرامات پڑھے
جو کہ سیکھے تھے خدا سے وہی کلمات پڑھے

۶۰

کیا وہ کلمات تھے جو حلِّ مُہمّات بنے
باعثِ صبر و سکوں دافعِ صدمات بنے
سپرِ فرطِ غم و شدتِ آفات بنے
کارگر ایسے کہ بگڑی ہوئی ہر بات بنے
منزلیں رہ گئیں سب کٹ کے جو دشواری کی
چودہ معصوموں کے ناموں نے مددگاری کی

۶۱

ہوئیں مقبول دُعائیں مٹے سب رنج والم

وصلِ حوّا سے ہوئے شاد جناب آدم

شامل حال رہا اُن کے جو خالق کا کرم

پھولنے پھلنے کا ساماں بھی ہوا پھر تو بہم

قُرب اور اُنس بڑھا پھر اثر انداز ہوا

آدم و حوّا کی یوں نسل کا آغاز ہوا

۶۲

نبی آدم پہ جو چلنے لگا شیطان کا وار

آزمائش کے سراسر تھے نمایاں آثار

پالنے والے کے ذمّے تھا ہدایت کا بھی بار

پایا اس واسطے تعلیمِ نبوت نے قرار

نیک و بد عالم امکاں میں بتانے کے لئے

انبیا آئے تھے ظلمت کو مٹانے کے لئے

۶۳

عام انسانوں سے تھا جن کا دو بالا مقدور

امر خالق کی وہ تعمیل پہ تھے یوں مامور

ان سے سرزد کبھی ہو سکتا نہ تھا کوئی قصور

کیونکہ انوار طہارت کے تھے وہ پیکرِ نور

فیض سے ان کے بشر امن و اماں پاتے تھے

واسطہ خالق و مخلوق میں بن جاتے تھے

۶۴

شیطنت سے کبھی باز آیا نہ ابلیس مگر

دیندار وں کو ہر اک دور میں پہنچایا ضرر

دکھ میں ہوتے تھے گرفتار جو حق کے رہبر

چودہ معصوموں ہی پر ان کی ٹھہرتی تھی نظر

مضطرب ہو کے وہ جب آہ و بکا کرتے تھے

واسطہ دے کے آئمہؑ کا دعا کرتے تھے

۶۵

آشکارا ہے جو ہستی کا ہوا ہے انجام

وہ بھی ظاہر ہے جو ہوتا رہا دنیا میں مدام

بن نہ پایا کبھی انساں کا جو بگڑا ہوا کام

دہر میں آ کے سوا کس کو ملا ہے آرام

بندے اللہ کے کب غم سے جدا رہتے تھے

انبیا تک تو گرفتارِ بلا رہتے تھے

۶۶

حال پر حضرت عیسیٰ ہی کے گر کیجے غور

دار پر اُن کو چڑھایا گیا یہ کم نہ تھا جور

سچ ہے خالی نہ رہا ظلم و ستم سے کوئی دور

کربلا میں جو ہوا اس کا تھا کچھ اور ہی طور

دار سے چرخِ چہارم پہ بلائے گئے وہ

مثلِ شبّیر نہ دنیا میں ستائے گئے وہ

۶۷

ابنِ مریم نے غم و رنج کی کلفت نہ سہی

بھوک اور پیاس کی شدّت کی اذیّت نہ سہی

دل کے ٹکڑوں کی جگر بندوں کی فرقت نہ سہی

ابن زہرا نے سہی جو وہ مصیبت نہ سہی

بے کسی کا کوئی اس طرح فسانہ نہ بنا

جسمِ عیسیٰ کبھی تیروں کا نشانہ نہ بنا

۶۸

کس نے اک دن میں بہتّر کے اٹھائے لاشے

کیا بیاں اس کا ہو کس حال میں پائے لاشے

ڈھونڈ کر دشت سے شبیر جو لائے لاشے

یوں کسی گھر میں کہیں اور نہ آئے لاشے

ان میں جب بکّہ و تنہا نہ ذبیحاہ ہوا

ہو کے مجروح فدا حق پہ حق آگاہ ہوا

۶۹

فخرِ عیسٰی ہے دو عالم میں محمدؐ کا پسر
دی ہے شمعون کو بھی جس کی مسیحا نے خبر
کھائے جب تن پہ ہزاروں سے سوا تیر و تبر
جھک گیا سجدۂ معبود میں شبیرؑ کا سر
سن کے اس واقعہ کو روئے پیمبر افسوس
حلق پر پھر گیا مظلوم کے خنجر افسوس

۷۰

حال یوں آلِ پیمبر کا ہوا ہے تحریر
مسجدِ کوفہ میں جب قتل ہوئے کُل کے امیر
غمِ فرقت سے پدر کے ہوئے بیٹے دلگیر
کوفی تھے درپئے آزار ادھر بے تقصیر
دل کو اک دم بھی نہ جب رنج و محن نے چھوڑا
تب تو اس بارِ خلافت کو حسن نے چھوڑا

۷۱

رہ گئے خلق میں تنہا جو جنابِ شبیرؑ

کوئی مونس نہ تو غمخوار نہ تھا کوئی نصیر

حافظِ دیں تھے فقط اب جو بہی عرش سریر

ظلمتوں میں گھری یہ نورِ خدا کی تنویر

کفر آلود جو یوں خوبئ اسلام ہوئی

عجب اندھیر ہوا اور عجب شام ہوئی

۷۲

ابنِ سفیان کا جب ختم ہوا دورِ شدید

وارثِ ملک ہوا شومئ قسمت سے یزید

بیٹھا جب تختِ حکومت پہ وہ شیطاں کا مُرید

رونما ہونے لگے پھر تو فساداتِ جدید

دشمنِ آلِ محمدؐ ستم ایجاد ہوا

ظلم و تزویر کے حصّے سے نہ آزاد ہوا

۷۳

شام سے پہونچا مدینے میں جو مکتوبِ یزید
اُس کو پڑھ کر بہت اُلجھن میں پڑا پہلے ولید
تھی جو شبیرؑ سے بیعت طلبی کی تاکید
اور انکار کی صورت میں یہ تھا حکم مزید
مٹ کے رہ جائے نشاں حق کے ولی کا فوراً
بھیج دے کاٹ کے سر ابنِ علیؑ کا فوراً

۷۴

خط میں تحریر تھی یہ بات بھی اک قابلِ غور
کرلیں شبیرؑ جو بیعت تو اماں دے فی الفور
ماسوا اس کے نہیں بچنے کا اُن کے کوئی طور
بات نرمی سے نہ مانیں تو روا ہے ہر جور
عاملِ شہر کو کچھ اور نہ سمجھانا تھا
حکمِ حاکم تھا بہرحال بجا لانا تھا

۷۵

شہ کو بلوانے کی اُس نے یہ نکالی تدبیر
لے کے پیغام روانہ ہوا اک اُس کا سفیر
پہونچا جب خدمتِ شبیر میں وہ شخصِ حقیر
نظر آئی اُسے نورِ ازلی کی تنویر
رعب یہ طاری ہوا لب بھی ہلایا نہ گیا
لے کے پیغام جو آیا تھا سُنایا نہ گیا

۷۶

شہ نے فرمایا کہ اے ایلچیِ بزمِ ولید
لایا ہے تو جو پیغام بعنوان جدید
اس کو پہنچا ہے کوئی شام سے مکتوبِ یزید
ہے اِسی باب میں کرنی اسے کچھ گفت و شنید
خط کا مضمون ہے شاید جو سنانا مجکو
اس لئے اس کو ہے منظور بُلانا مجکو

۷۷

ساتھ میں لے کے اعزّہ کو باانداز سعید
چلے شبیر بصد شان سوئے بزم ولید
عاملِ شہر کا کچھ ڈر تھا نہ تھا خوفِ یزید
مطمئن آپ تھے جس طرح بھی ہو گفت و شنید
حاکمِ شام کرے جو بھی کرے جبر کے ساتھ
تھا یہاں زورِ شجاعت بھی مگر صبر کے ساتھ

۷۸

خبرِ آمدِ شہ سُن کے ولیدِ مذکور
پیشوائی کو بڑھا پیشِ شہنشاہِ غیور
بعد تسلیم یہ کی عرض کہ اے پیکرِ نور
معذرت چاہتا ہوں میں شہ والا کے حضور
سر پہ بار عہدے کا اپنے نہ اگر لیتا میں
کوئی تکلیف نہ حضرت کبھی دیتا میں

۷۹

حکمِ حاکم کی مجھے کرنی ہے تعمیل ضرور
ہے طلب آپ سے بیعت کی تو کر لیں منظور
مَیں ہوں اس امر پہ حاکم کی طرف سے مامور
سلطنت کے یوں ہی چلتے ہیں زمانے میں امور
نفیٔ بیعت کی حکومت جو خبر پائے گی
آلِ سفیان شقاوت سے نہ باز آئے گی

۸۰

عاملِ شہر نے جب کھل کے سنایا یہ حال
آ گیا سیّدِ کونین کو اس وقت جلال
صبر سے کام مگر لے گئے شہ نیک خصال
بولے خاموش ہو کیا بکتا ہے او بد افعال
حرف نا زیبا عبث منہ سے ادا کرتا ہے
میں کروں بیعتِ فاسق تو یہ کیا بکتا ہے

۸۱

کر کے ارشاد یہ اُٹھے جو شہ عرش سریر

عاملِ شہر سے کہنے لگا مروان شریر

جانے پائیں نہ یہاں سے کہیں زندہ شبّیر

ان کا سر کاٹ کے بھجوا دے پئے نذرِ امیر

سُن کے یہ دُور تھے جو لوگ وہ سب پاس آئے

ایک ہلچل سی مچی غیظ میں عباسؑ آئے

۸۲

ڈر کے خاموش ہوئے پھر تو دلیدِ مروان

اور ادھر بھائی سے فرمانے لگے شاہ زماں

ابھی یہ وقت لڑائی کا نہیں ہے مری جاں

چلو گھر چلتے ہیں زینب نہ پریشاں ہوں وہاں

آئے جب بیتِ شرف میں تو یہ ساماں دیکھا

حرمِ پاک کو حیران و پریشاں دیکھا

۸۳

دیکھی زینب نے برادر کی جو حالت تغیّر
بولیں کیا گذری وہاں آپ پہ صدقے ہمشیر
پھر یہ کی عرض کہ اے ابن شہ خیبر گیر
ہم کو وسواس ہے برگشتہ نہ ہو پھر تقدیر
ظلم اعدا کی نئی کون سی تدبیر ہوئی
عامل شہر کی کیا آپ سے تقریر ہوئی

۸۴

شہ نے ارشاد کیا اے مری غم خوار بہن
بگڑا پھر فرقۂ اشرار کا اس دم ہے چلن
جلد ہی چھوڑنا ہے ہم کو یہ نانا کا وطن
قتلِ اولادِ پیمبر پہ تُلے ہیں دشمن
ظالموں کی بھی ہر اک بات غضب ہوتی ہے
ہم سے اب بیعتِ فاسق کی طلب ہوتی ہے

۸۵

ہوتا ہوں اس لئے اس شہر سے مجبورِ سفر
راہ میں گرچہ ہیں درپیش بڑے خوف و خطر
پھر بھی ہے امن کی جا خانۂ ربِّ اکبر
ہے مگر حُرمتِ کعبہ بھی مرے پیشِ نظر
فرصتِ حج بھی نہ ہو مجھ کو یہ کچھ دور نہیں
اس جگہ قتل ہوں میں یہ مجھے منظور نہیں

۸۶

یہ سخن پاس کے سُن کر کہا زینبؑ نے کہ آہ
بھائی میری بھی وہی راہ ہے جو آپ کی راہ
جیتے جی ہیں تو نہ چھوڑوں گی کبھی دامنِ شاہ
جانے کیا ظلم و ستم ڈھائے یزیدِ گمراہ
صدمے جو کچھ بھی ہوں غربت کے سہوں گی بھائی
ہر قدم آپ کے ہمراہ رہوں گی بھائی

۸۷

ڈر ہے رستہ میں بُرا وقت نہ آئے کوئی
میرے بھائی کو ستم گر نہ ستائے کوئی
آپ کا دل کوئی ظالم نہ دُکھائے کوئی
ستم و جور کا طوفاں نہ اٹھائے کوئی

وقتِ بد آئے تو یہ کام اُسی آن کروں
اپنے فرزندوں کو میں آپ پہ قربان کروں

۸۸

آبدیدہ ہوئے یہ سُنتے ہی مولائے زماں
اور فرمایا کہیں اب نہیں ملنے کی اماں
کربلا آخری منزل ہے ہماری کہ جہاں
اہل حق ہوں گے شہید اور مدینہ ویراں

روزِ عاشور بپا ایک قیامت ہوگی
سب عزیزوں کی رفیقوں کی شہادت ہوگی

۸۹

سارے انصار و اعزّہ تھے شہادت میں شریک
ساتھ مولا کے تھے تحصیلِ سعادت میں شریک
دینِ برحق سے وفا جن کی تھی طینت میں شریک
تھے وہ ناموسِ شریعت کی حفاظت میں شریک
کیونکہ آدم کی شرافت کا بھرم رکھنا تھا
اونچا انساں کی فضیلت کا عَلَم رکھنا تھا

۹۰

کربلا میں بشریّت کے کھُلے جب جوہر
تب ہوئی عظمتِ انساں کی فرشتوں کو خبر
گرچہ ابلیس ازل سے رہا آمادہ بشر
پھر بھی خاصانِ خدا پر نہ ہوا اُس کا اثر
حق کا ہر حال میں جو تابعِ فرمان ہوا
مر کے بھی زندۂ جاوید وہ انسان ہوا

۹۱

روک اب خامے کو شیداؔ کہ مناسب نہیں طول

مدعا جو میرے دل کا تھا ہوا اب وہ حصول

پانچواں مرثیہ ہے نذرِ جگر بندِ بتولؑ

صدقے میں پنجتنِ پاک کے ہو جائے قبول

حق سے توفیقِ ثنا خوانیٔ شبیرؑ ملی

جیتے جی خلد کی گویا مجھے جاگیر ملی

تخلیقات

عروسِ شہادت ——— مرثیہ

احسن تقویم ——— پانچ مراثی کا مجموعہ

بہارِ غزل ——— غزلیات کا مجموعہ زیرِ طبع

گُہرہائے عقیدت ——— نعت و مناقب 〃

سادات بارہہ تاریخ کے مدوجزر میں ——— ترتیب :

از : ڈاکٹر سید مظفر حسین سید رشید احسن زیدی 〃

نئی دیدی ——— ناول 〃

مرزا دبیر اور اقبال ——— تنقیدی جائزہ 〃

شید ازیدی کا مرثیہ "علی علام" تنقیدی لہجے کے اعتبار سے مرثیہ ہے مسدس نہیں، لیکن میرا استدلال یہ ہے کہ یہ شعری تجربہ ان معنوں میں مسدس ہے کہ اس کی زبان، فن اور اس کا چہرہ جدید بلکہ جدید تر ہے —

ڈاکٹر اسد اریب

رثائی ادب میں عروسِ شہادت کی تخلیق شید آزیدی کو مرثیہ نگاری کے مقامِ محمود اور منزلِ سعادت پر لے آئی ہے —

عاصی کرنالی

عروسِ شہادت قدیم و جدید کا ایک ایسا خوبصورت امتزاج دکھائی دیتا ہے جو انہیں دَورِ حاضر کے مرثیہ گو شاعروں میں ایک خاص مقام عطا کرتا ہے —

حُسین سحر

"عروسِ شہادت" بیان کی تمام تر خوبیوں کا حامل ہونے کے علاوہ علم کے موجزن سمندر کی طرح ہے —

سُلطان رشک

آپ کا مرثیہ کردار نگاری، جذبات نگاری، محاکات اور دیگر فنی خوبیوں کا اعلیٰ نمونہ ہے —

ڈاکٹر مرزا خلیل احمد بیگ علی گڑھ

اُردو مرثیہ کی تاریخ میں شید احسن زیدی کا نام زندہ رہے گا۔

ڈاکٹر طاہر تونسوی

جوش کے بعد جدید مرثیہ میں سیّد آلِ رضا، نسیم امروہوی، جمیل مظہری اور ڈاکٹر سیّد صفدر حُسین جیسے مرثیہ نگاروں کے نام قابلِ ذکر ہیں اور عروسِ شہادت کے بعد شید ازیدی کا نام بھی اسی فہرست میں شامل کیا جا سکتا ہے

ڈاکٹر سلیم اختر

"عروسِ شہادت" میں آفاقی دلکشی کا عنصر موجود ہے۔ انہوں نے اپنے مرثیے کے کینوس پر ایسے دلکش، خوشنما، سچے اور پکے رنگوں سے پینٹ کیا ہے کہ ان کے وقار میں اضافہ ہوا ہے —

پروفیسر شمیم ترمذی